رب اشرح لی صدری ویسر لی أمری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی (القرآن)

غیر مسلم ممالک کے سیاسی نظام میں مسلمانوں کی شرکت اور مقاصد شریعت

مفتی انور علی الاعظمی

مفتی دار العلوم مئو یوپی

سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم، مئو

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

نام کتاب : غیر مسلم ممالک کے سیاسی نظام میں مسلمانوں کی شرکت
اور مقاصد شریعت
مؤلف : مفتی انور علی
صفحات : ۱۱۰
قیمت :
سن اشاعت: ۲۰۲۱ء

ناشر
اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)
161 – ایف، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر :9746
جامعہ نگر، نئی دہلی – ۱۱۰۰۲۵
ای میل :fiqhacademyindia@gmail.com
فون : 011-26981779

فہرست

عنوان	صفحہ
پیش لفظ — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹
دنیا کے سیاسی حالات سے آگاہی بھی ایک ضرورت ہے	۱۳
عصر حاضر میں بین الاقوامی حالات کا ایک مختصر جائزہ	۱۵
خلافت عثمانیہ اور مغلیہ حکومت کے زوال کے نقصانات	۱۷
اسلام کو مٹانے کی ناکام کوشش	۱۹
مقاصد شریعت کا تعارف	۲۳
حفاظت دین	۲۳
حفاظت نفس	۲۵
حفاظت عقل	۲۶
محافظہ علی النسل	۲۸
محافظہ علی المال	۳۰

غیر مسلم ممالک کے سیاسی نظام میں مسلمانوں کی شرکت کا مقاصد شریعت سے جوڑ	۳۴
بی جے پی سرکار میں مجموعی طور پر ملک کے حالات خراب ہوئے ہیں	۳۸
سیاست میں حصہ داری کے لیے کون سا طریقہ اپنائیں	۴۱
ووٹ کی شرعی حیثیت اور پارٹی کے انتخاب کی بنیاد	۴۳
کامیابی کے لیے مسلمانوں کا اتحاد بڑی اہمیت کا حامل ہے	۴۷
مسلمانوں کے آپسی اختلافات کو کم کرنے اور اتحاد و اتفاق کو مضبوط کرنے کا طریقہ	۵۰
موجودہ صورت حال میں بی. جے. پی میں مسلمانوں کی رکنیت اور شمولیت	۵۵
سیاسی حالات پر نظر رکھنا بھی علماء کی ذمہ داریوں میں شامل ہے	۵۹
آزادی کے بعد ملکی سیاست میں علماء اور مسلم راہنماؤں کا کردار	۶۳
دستور ہند اور ہمارے حقوق [تمہید (Preamble)]	۶۹
دینِ اسلام اور سیاست کا باہمی تعلق	۷۶
سیاست میں کامیابی کے لیے دین سے جڑے رہنا ضروری ہے	۸۰
مصر، شام، عراق میں ناکامی کے اسباب	۸۷
ترکی کے سیاسی اور مذہبی انقلابات اور مصطفی کمال پاشا	۹۰
اسلامی سیاست کی کچھ خصوصیات	۹۶

(۱) عدل وانصاف	۹۶
(۲) عہدو پیمان کی پابندی	۹۹
مساوات بین المسلمین	۱۰۲
اسلامی شریعت میں حکام اور ولاۃ کے لیے امانت و دیانت کے احکام	۱۰۵

پیش لفظ

سیاست نظام حکمرانی کا ایک اہم حصہ رہا ہے، جب اسلام آیا تو اس نے سیاست کو دین سے جوڑ دیا، اور عدل وانصاف اس کا بنیادی اصول قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ حلف الفضول کی مجلس میں شریک ہوئے، چونکہ یہ مجلس ظالموں کو ظلم سے روکنے اور مظلوموں کو اس کا حق دلانے کے لئے منعقد کی گئی تھی اور عدل وانصاف برپا کرنے کے لئے بلائی گئی تھی، اور پھر ان ہی بنیادوں پر اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں جنھوں نے آدھی دنیا پر صدیوں تک حکومت کی اور اسلامی تہذیب وثقافت، رواداری اور نظام حکومت سے لوگوں کو روشناس کرایا، اور اُس وقت کی دنیا میں ہو رہے ظلم وجور اور انسانی عدم مساوات کا خاتمہ کیا۔

لیکن موجودہ دنیا کے مسلمانوں کی صورتحال دیگر گوں ہے، مسلم سلطنتیں ختم ہوگئیں یا کمزور ہوگئیں، اور کسی حد تک جمہوری نظام قائم ہو گیا، جن ملکوں میں مسلم حکومتیں ختم ہوگئیں وہاں کے مسلمان سیاسی اعتبار سے بھی کمزور ہو گئے، لیکن جمہوری نظام میں ہر ایک کو سیاست میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے، چنانچہ غیر

مسلم ممالک میں آباد مسلمان وہاں کی سیاست اور نظام حکومت میں حصہ لے بھی رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے سلسلہ دراسات وتحقیقات کے لئے ایک موضوع ''غیر مسلم ممالک کے سیاسی نظام میں مسلمانوں کی شرکت اور مقاصد شریعت'' کو منتخب کیا، اور اس دراسہ کو تیار کرنے کے لئے مفتی انور علی اعظمی (مفتی دار العلوم مئو) کو ذمہ داری سونپی گئی، الحمد للہ مفتی صاحب نے بڑے ہی اچھے انداز میں موضوعاتی ترتیب کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے معلومات فراہم کی ہیں، جیسا کہ اس کے بعض عناوین سے اندازہ ہوتا ہے:

غیر مسلم ممالک کے سیاسی نظام میں مسلمانوں کی شرکت کا مقاصد شریعت سے جوڑ، سیاست میں حصہ داری کے لئے کونسا طریقہ اپنائیں، ووٹ کی شرعی حیثیت اور پارٹی کے انتخاب کی بنیاد، مسلمانوں کے آپسی اختلافات کو کم کرنے اور اتحاد واتفاق کو مضبوط کرنا، سیاسی حالات پر نظر رکھنا علماء کی ذمہ داری، دین اسلام اور سیاست کا باہمی تعلق، مصر، شام اور عراق میں ناکامی کے اسباب، اسلامی سیاست کی خصوصیات، دنیا کے سیاسی حالات سے آگاہی کی ضرورت، جیسے عنوانات کے تحت اس موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اللہ تعالی جزائے خیر دے مفتی انور علی اعظمی صاحب کو کہ انھوں نے

بڑی جانفشانی سے یہ کتابچہ تیار کیا ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے اس طرح کی چیزیں تیار کی جاتی رہیں گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو امت کے لئے نافع بنائے اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے میں معاون ہو، آمین۔ واللہ ولی التوفیق۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری)

دنیا کے سیاسی حالات سے آگاہی بھی ایک ضرورت ہے

مسلمانوں کے لیے ملکی اور بین الاقوامی سیاسی حالات کی خبر رکھنا اور اس سے آگاہی حاصل کرنا، ان کی بیدار مغزی کی پہچان ہے۔ بہت سے سادہ لوح لوگ اخبارات پڑھنے اور دنیا کے سیاسی حالات کی جانکاری کو ایک فضول کام سمجھتے ہیں، حالانکہ بڑے بڑے علماء اور دانشوران ملت امت کے حالات کی جانکاری اپنے لیے روزمرہ کے معمولات میں شامل رکھتے ہیں۔ قرآن وسنت کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی عیاں ہے کہ شریعت کے دائرے میں رہ کر سیاست میں حصہ لینا اور سیاسی امور سے واقفیت رکھنا ایک ضروری امر ہے۔ مکی دور میں جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ پر طرح طرح کے مظالم کیے جارہے تھے، اس وقت دنیا کی دو بڑی طاقتوں روم اور فارس کے درمیان جنگ ہوئی، اس لڑائی میں ایرانی جیت گئے اور رومی ہار گئے۔ رومیوں کے ہارنے پر مسلمانوں کو دکھ ہوا اور کفار مکہ کو خوشی ہوئی، مسلمانوں کے دکھ کی وجہ یہ تھی کہ روم کے لوگ عیسائی تھے جو آسمانی مذہب اور آسمانی کتاب کو مانتے تھے، جب کہ ایرانی آگ کی پوجا کرتے تھے اور وہ مشرکوں سے زیادہ قریب تھے، یہ لڑائی اس زمانے کی دو طاقتور حکومتوں کی لڑائی تھی، جس کے اثرات بہت دور رس تھے اور یہ جنگ مدینہ کے قریبی مقام بصریٰ کے قریب لڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا

ذکر قرآن پاک میں کیا اور اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام سورۂ روم رکھا۔

"الم غلبت الروم فی أدنی الأرض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین للہ الأمر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المؤمنون"
(الروم:۱۔۴)۔

(الم (اس کا معنی اللہ جانتا ہے)، اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے، اور وہ (رومی) اپنے اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب اہل فارس پر چند سالوں میں غالب آجائیں گے، کیونکہ مغلوب ہونے سے پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا، اور مغلوب ہونے کے بعد بھی اختیار اللہ ہی کے پاس ہے، اور اس روز جب اہل روم غالب آئیں گے، مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے)
(معارف القرآن ۶/۷۱۸)۔

یہ جنگ خالص ایک سیاسی معاملہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں اس کا ذکر فرمایا، اس سے بخوبی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ دنیا کے سیاسی حالات سے بے خبری مسلمانوں کے لیے ایک ناپسندیدہ امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آگے ہونے والی دوسری جنگ کی پیشین گوئی کی تھی، اور اس میں رومیوں کے فتح کی خوشخبری سنائی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کفار قریش کے بیچ میں اس کا اعلان کرتے تھے اور ان میں ایک طرح کا چیلنج کرتے تھے، کفار قریش ان کی مخالفت کرتے تھے، بلکہ بازی لگانے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بازی بھی لگائی اور سات سال کے بعد ان دونوں ملکوں میں دوبارہ جنگ ہوئی، اس جنگ میں رومی جیت گئے اور ایرانی ہار گئے، اور حضرت ابوبکرؓ کو بازی لگانے کے نتیجے میں

سواونٹنیاں ملیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، کیونکہ بازی لگانا جوے کی ایک شکل ہے، جو اسلام میں جائز نہیں۔ ابویعلیٰ اور ابن عساکر نے حضرت براء بن عازب کی روایت سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں :"**هذا السحت تصدق به**" یہ تو حرام ہے اس کو صدقہ کردو (روح المعانی بحوالہ معارف القرآن ۲/۷۲۱)۔

عصر حاضر میں بین الاقوامی حالات کا ایک مختصر جائزہ:

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی شاہکار کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا زوال سترہویں صدی میں شروع ہوا اور یہ زوال عسکری اور علمی کمزوری کے نتیجہ میں آیا، اہل یورپ اس دور میں نئی نئی تحقیقات کررہے تھے اور نئے نئے ہتھیاروں کا تجربہ کررہے تھے، خلافت عثمانیہ اندر سے کمزور ہوتی جارہی تھی، علمی اور عسکری میدان میں عالمی پیمانے پر مسلمان زوال کا شکار تھے، حضرت مولانا کا یہ تجزیہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس دور میں ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت تھی، انھوں نے اپنی فتوحات کی بنا پر سلطنت کا دائرہ بہت وسیع کرلیا تھا، اور وہ مغلیہ خاندان کے آخری طاقتور حکمراں تھے۔ 1707ء میں ان کا انتقال ہوگیا، ان کے بیٹوں میں کوئی ایسا جانشیں نہیں تھا، جو اس بڑی حکومت کے نظام کو سنبھال سکے، اس لیے مغلیہ حکومت کمزور ہونے لگی اور نوابوں کا زور بڑھنے لگا، اور ہندوستان طوائف الملوکی کا شکار ہوگیا، اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر برطانیہ اور فرانس نے بھی ہندوستان پر قبضہ

کرنے کی کوشش کی، فرانس کوتوزیادہ کامیابی نہیں ملی،لیکن انگریز اس ملک کے حاکم بن گئے، انگریزوں کا مضبوطی کے ساتھ مقابلہ نواب سراج الدولہ اورٹیپوسلطان نے کیا،نواب سراج الدولہ 1757ء میں انگریز وائے سرائے پلاموکے مقابلہ میں پلاسی کے مقام پر جنگ ہار گئے (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ثروت صولت: ۲/۳۷۷)،ٹیپوسلطان انگریزوں سے انتہائی بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، لیکن 1799ء میں وہ بھی شہید ہوگئے (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ثروت صولت: ۲/۳۸۵)،ان کی شہادت کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے 1803ء میں یہ اعلان کیا کہ اب ہندوستان انگریزوں کا غلام ہوگیااورمسلمانوں کے لیے انگریزی فوج میں بھرتی ہونا جائزنہیں۔نواب سراج الدولہ اورسلطان ٹیپوکی شہادت اپنے ہی لوگوں کی غداری کا نتیجہ تھی، اسی لیے علامہ اقبال نے اپنے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملت ننگِ دیں ننگِ وطن

انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ایک بڑا معرکہ 1857ء میں ہوا،جس کی قیادت حاجی امداد اللہ مہاجرمکی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اورحافظ ضامن شہید نے کی،لیکن اس میں بھی ناکامی ہوئی اور ہندوستان مکمل طور پرانگریزوں کا غلام ہوگیا۔

خلافت عثمانیہ پہلی جنگ عظیم کے بعد اور زیادہ کمزور ہوگئی اور بالآخر 1923ء میں خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔

خلافت عثمانیہ کا ختم ہوجانا مسلمانوں کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا، اس معاملہ میں مصطفیٰ کمال پاشا کا رول ملت اسلامیہ کے لیے بہت نقصاندہ ثابت ہوا۔ علامہ اقبال نے انھیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

خلافت ٹوٹنے کے بعد اس وقت کی طاقتور عیسائی حکومتوں نے ترکی کو بہت سی پابندیوں میں جکڑ دیا اور سو سال کے لیے اپنی من مانی شرائط کو قبول کرنے پر مجبور کیا، ان شرائط کا مقصد ترک قوم کو بے دست و پا کرنا اور مذہب اسلام سے دور کرنا تھا، اب سو سال 2023ء میں مکمل ہونے والا ہے، اس درمیان میں ترکی مختلف انقلابات سے نبرد آزما ہونے کے بعد اب پھر ایک طاقتور مسلم ملک بن کر ابھر رہا ہے، ترک صدر رجب طیب اردگان اور ان کے رفقاء اسلام کے دلدادہ ہیں، اور دنیا میں مسلمانوں کے سچے ہمدرد ہیں، ان کی قیادت میں اور بھی دوسرے مسلمان ملک اپنے صحیح مقصد کی طرف گامزن ہیں، اس طرح علامہ اقبال نے جو پیشین گوئی کی تھی وہ اب دکھائی دے رہی ہے ۔

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

خلافت عثمانیہ اور مغلیہ حکومت کے زوال کے نقصانات:

اس عرصہ میں جب دنیا میں کوئی مضبوط مسلم حکومت نہیں تھی، مسلمانوں پر

طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے اور بہت سے ملکوں میں اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی، براعظم ایشیاء اور براعظم افریقہ اور یورپ کی اکثر مسلم حکومتیں برطانیہ، فرانس، اٹلی کی غلام ہوگئیں، خلافت کے کمزور ہونے کے بعد روس نے متعدد مسلم ملکوں پر قبضہ کرلیا اور ازبکستان، قزاقستان، کرغیزیا، آذربائیجان، آرمینیا، ترکمانستان، چیچنیا، ان سب پر قبضہ کرکے سویت یونین میں شامل کرلیا۔ ہزاروں مسجدوں کا نام ونشان مٹادیا گیا۔ بڑے بڑے مدرسے بند کردیئے گئے۔ لاکھوں مسلمانوں کا قتل ہوا۔ 1990ء کی دہائی میں جب روس افغانستان میں ہار گیا، تو یہ بہت سارے ملک دنیا کے نقشے پر دوبارہ آگئے۔ ادھر امریکہ نے 1980ء میں ایران کے انقلاب کے بعد ایران اور عراق کو لڑادیا۔ آٹھ سال تک یہ جنگ چلی، تیرہ لاکھ جانیں گئیں اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، پھر امریکہ نے 1990ء میں عراق سے کویت پر حملہ کرادیا اور عراق نے کویت پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے سترہویں صوبہ ہونے کا اعلان کردیا۔ پھر اسی کو بہانہ بنا کر امریکہ نے اپنی فوجیں خلیج کے ملکوں میں اتاردی۔ 2001ء میں امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ ہوا، امریکہ نے بغیر تحقیق کے اسامہ بن لادن اور افغانستان کو اس کا مجرم قرار دیا اور اس پر حملہ کرکے اس کو تباہ کرنے کی کوشش کی، اور پھر بعد میں صدام حسین کے خلاف عراق پر فوجی کارروائی کی، اس کے بعد سیریا میں ان بڑی طاقتوں نے خانہ جنگی کرائی، جس میں لاکھوں مسلمان شہید ہوئے، بڑے بڑے شہر تباہ ہوگئے اور لاکھوں مسلمان آج بھی بے گھر ہیں اور دنیا کے مختلف ملکوں میں پناہ تلاش کررہے ہیں۔ اسی طرح لیبیا اور یمن میں ہوا، برما میں روہنگیا مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ

توڑے گئے، الغرض اس سوسال میں مسلمانوں کا اس قدرخون بہا کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

اسلام کومٹانے کی ناکام کوشش:

اسلام ایک سچا مذہب ہے، اللہ کا آخری پیغام ہے، لوگوں کے دلوں سے بنیادی عقیدے نکالنا ان حکومتوں کے اختیار میں نہیں تھا، اس لیے ساری آزمائشوں کے باوجود ان ملکوں میں اسلام باقی رہا، دین کا کام کرنے والے افراد اللہ کی توفیق سے اپنا کام کرتے رہے، اس کی واضح مثال ترکی ہے، مصطفیٰ کمال پاشا ہی کے دور میں جب یہ اندیشہ ہوا کہ ترک قوم اسلام سے دور ہوجائے گی، تو علامہ بدیع الزماں سعید نورسیؒ جو ایک بڑے عالم، داعی اور مجاہد تھے، انھوں نے اس ملک میں اسلام کو بچانے کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کا فیصلہ کیا، جیل میں ڈالے گئے، جیل کے اندر سے دین کی بنیادی باتیں تحریری شکل میں بھیجتے رہے، اس پرچہ کا نام انھوں نے ''النور'' رکھا، ان کے ماننے والے اس کی کاپیاں کرا کر لوگوں میں تقسیم کرتے رہے، مشہور مؤرخ ثروت صولت نے ان کی خدمات پر ایک جامع کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے ''ترکی کا مرد مجاہد''، اس وقت ترکی میں مذہبی طبقہ کا وجود اور عوام میں دینی بیداری ایسے ہی بزرگوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اورنگ زیب کے اخیر دور 1704ء میں پیدا ہوئے، ان کے ذریعہ ہندوستان میں قرآن وسنت کی تعلیم

شیعیت کی تردید اور احیاء اسلام کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد 1866ء میں دارالعلوم دیوبند کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ولی اللہی درسگاہ کے علماء ملک کے مختلف گوشوں میں موجود تھے، انھوں نے انگریزوں کے قبضہ کے بعد تمام فتنوں کا مضبوطی سے دفاع کیا، ہندوستانی مسلمانوں کو عیسائیت سے بچایا، قادیانیت کا قلع قمع کیا، نوابوں کے زمانے میں شیعیت کے فتنے کا سدباب کیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان میں اسلام اپنی صحیح شکل وصورت میں موجود ہے۔

پھر جمعیۃ علماء تبلیغی جماعت مسلم پرسنل لابورڈ اور دیگر مسلم تنظیموں نے اسلام کے بقاء وتحفظ کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔ تبلیغی جماعت نے تمام مسلمانوں میں دینی رجحان پیدا کیا، مدارس نے حفاظ، علماء اور اساتذہ کا ایک جم غفیر تیار کیا اور آج ارباب افتاء اور حدیث وقرآن کے محقق علماء کی ایک بڑی جماعت برصغیر اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں اپنا کام انجام دے رہی ہے۔

اس صد سالہ دور میں غیر منقسم ہندوستان میں اسلام کو بچانے کی مسلسل جدوجہد ہوتی رہی، علماء کا ایک گروہ انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا، جس میں نمایاں کردار شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور ان کے تلامذہ کا ہے۔ اہل حدیث علماء نے بھی اس جدوجہد میں پورا پورا ساتھ دیا۔ دوسری طرف علماء کا ایک گروہ جس میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا حسین احمد مدنی، اور ان حضرات کے خلفاء بہت ممتاز ہیں۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ ہندوستان میں مدارس اور مکاتب کا جال بچھایا، مولانا الیاس صاحب

کے ذریعہ شروع کی جانے والی تبلیغی کوششوں نے ہند اور بیرون ہند میں ایک انقلاب برپا کر دیا، اسی کے ساتھ عالمی پیمانے پر مسلمانوں کے سیاسی حالات میں بھی تبدیلی آنا شروع ہوئی، اسی کی دہائی میں افغانستان پر روس نے قبضہ کرلیا، وہاں کے جیالے مسلمانوں نے روس کی غلامی کو نکار دیا، اور اس کے خلاف دس سال تک لڑتے رہے، بالآخر روس ہار گیا، اور اسی کے نتیجہ میں سویت یونین ٹوٹ گیا، روس کے صدر گورباچوف نے بہت سے مسلم ملکوں کو آزاد کر دیا۔ 2001ء میں امریکہ نے طالبان کی حکومت ختم کرنے کے لیے بتیس ملکوں کا اتحاد بنا کر افغانستان پر حملہ کر دیا، بے پناہ جانی ومالی نقصان پہنچایا، وقتی طور پر طالبان پیچھے ہٹ گئے، لیکن دھیرے دھیرے پھر محاذ سنبھال لیا، اور بیس سال تک امریکہ کا مقابلہ کرتے کرتے بالآخر اسے ہرا دیا، قطر کی راجدھانی دوحہ میں امریکہ نے ان کے ساتھ مصالحتی بیٹھک کی اور ان کی شرطوں کو منظور کرتے ہوئے افغانستان چھوڑنے کا اعلان کر دیا، اس وقت جب یہ سطریں لکھی جارہی ہیں امریکی فوج افغانستان سے بھاگ چکی ہے، طالبان زور وشور سے آگے بڑھ رہے ہیں، انقلاب اخبار کی رپورٹ کے مطابق امریکہ نے اس جنگ میں پچپن کھرب ساٹھ ارب ڈالر خرچ کیے، اس کی تیس ہزار فوجوں نے خودکشی کی اور بڑی تعداد میں اس کی فوج افغانستان میں ماری گئی، یہ بھی دنیا میں ایک بڑا سیاسی انقلاب ہے کہ ایک غریب جماعت نے ایک سپر پاور کے دعویدار ملک کو اس کے بتیس حلیفوں کے ساتھ شکست دے کر ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا، یہاں تک کہ ۱۵/اگست 2021ء کو طالبان نے کابل پر قبضہ کر کے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا، دوسری طرف جب امریکہ کو یہ محسوس ہوا کہ ترکی میں اسلام

پسند لوگ اقتدار پر قابض ہو گئے، تو اس نے جولائی 1916ء میں فتح اللہ گولن کو سامنے کر کے ترکی میں ایک زبردست بغاوت کرائی، رجب طیب اردگان بال بال بچ گئے، ان کی کال پر عوام فوجی ٹینکوں کے سامنے آ گئے اور یہ بغاوت ناکام ہو گئی، ورنہ مصر کے صدر مرسی کی طرح طیب اردگان بھی جیل میں ہوتے، اور ترکی پھر خانہ جنگی کا شکار ہو جاتا، یہ دو بڑے واقعات جو پانچ سال کے عرصہ میں پیش آئے، مستقبل میں ایک نئے سیاسی انقلاب کا اشارہ کر رہے ہیں، ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں سیاسی سدھار ہو رہا ہے، ان حالات کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلم امہ دو صدیوں کے زوال کے بعد اب ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے، علامہ اقبال کی پیشین گوئی اب ثابت ہو رہی ہے ؎

اٹھ کے اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

مقاصد شریعت کا تعارف

شریعت اسلامیہ کے بنیادی مقاصد میں پانچ چیزوں کی حفاظت داخل ہے، ان کی محافظت پر قرآن وسنت کی نصوص دلالت کرتی ہیں، وہ پانچ چیزیں یہ ہیں :(۱) دین (۲) نفس (۳) عقل (۴) نسل (۵) مال، ان پانچوں امور کی حفاظت شریعت کے اہم مقاصد میں سے ہیں۔ علامہ شاطبی، امام غزالی، امام الحرمین جوینی نے بھی اس موضوع پر خاص توجہ دی ہے اور عصر حاضر کے علماء میں ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی نے اپنے مرکز المعہد العالمی للفکر الاسلامی سے جو امریکہ میں واقع ہے، اس موضوع پر متعدد اہم کتابیں شائع کی ہیں، جس میں ڈاکٹر یوسف حامد العالم کی کتاب ''المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ'' اور اسماعیل حسنی کی کتاب ''نظریۃ المقاصد عند الامام محمد الطاھر بن عاشور''، ڈاکٹر احمد ریسونی کی کتاب ''نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی''، ڈاکٹر عبد الرحمٰن الکیلانی کی کتاب ''قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی عرضا ودراسۃ وتحلیلاً'' انتہائی مفصل اور مدلل ہیں، مؤلفین نے شریعت کے مصالح ومقاصد کو بہت جامع انداز میں بیان کیا ہے۔

حفاظت دین:

دین کی حفاظت انسان کی دنیوی واخروی کامیابی کی بنیاد ہے، دین وہی

ہے جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے اپنے رسولوں پر اتارا، یا دین اللہ پر، رسولوں پر اور آخرت پر ایمان لانے کا نام ہے، رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ لائے بندے اس کی تصدیق کریں، خالص توحید دین کی بنیاد ہے، شرک سب سے بڑا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان ہے :

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:۴۸)۔

شرک کو اللہ معاف نہیں کرے گا، شرک کے علاوہ دوسرا گناہ جس کے لیے چاہے گا معاف کرے گا، ایسے لوگ جو اللہ سے غافل ہیں پیغمبروں کے دین کو نہیں مانتے، قرآن پاک میں جگہ جگہ ان کو چوکنا کیا گیا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾ (الانفطار:۶۔۸)۔

(اے انسان! کس چیز نے تم کو تمہارے اس کریم آقا کی طرف سے دھوکہ میں ڈال دیا، جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہاری ایک ایک چیز کو سیدھا کیا، اعضاء کو درست کیا، جس صورت میں چاہا تم کو وجود بخشا)۔

ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ (الواقعہ:۵۸۔۵۹)۔

(ذرا یہ بتلاؤ کہ جو نطفہ تم ٹپکاتے ہو، کیا اس سے بچہ تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہم ہیں)۔

دین کی حفاظت کرنا اور اللہ پر اس کے رسولوں اور آخرت پر ایمان رکھنا

شریعت کے بنیادی مقاصد ہیں۔

حفاظت نفس:

شریعت اسلامیہ کا دوسرا بنیادی مقصد انسانی جان کی حفاظت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ لَا تَقْتُلُوا النَفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللہُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (الانعام:۱۵۱)۔

(اور اس جان کو قتل نہ کرو، جس کو اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ)۔

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْا اَوْ لَادَ کُمْ﴾ (الاسراء:۳۱) (اور اپنی اولاد کو قتل مت کرو)۔

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللہُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (النساء:۹۳)۔

(جو کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کر دے، اس کا بدلہ جہنم ہے، اللہ کا اس کے اوپر غضب ہے اور اللہ کی اس کے اوپر لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بھاری عذاب تیار کر رکھا ہے)۔

انسانی جان کی اہمیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قصاص کا حکم دیا ہے اور قصاص کو زندگی قرار دیا ہے: ﴿وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا اُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (البقرہ:۱۷۹)۔

(اور ناحق ایک انسان کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کا قتل قرار دیا ہے اور ایک آدمی کے بچا لینے کو سارے انسانوں کے بچانے سے تعبیر کیا ہے)۔

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِى إِسْرَائِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (المائدہ: ۳۲)۔

حفاظت عقل:

ڈاکٹر یوسف حامد العالم اپنی کتاب محافظہ علی العقل پر ''المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ'' میں لکھتے ہیں:

''لقد فضل الله الإنسان للعقل و ميزه على سائر الحيوانات التى تشارک فى بقية المزايا، وبهذا العقل صار الإنسان خليفة الله فى أرضه وسخر له ما فى البر والبحر بواسطة العقل هذا وكلفه بعبادته وطاعته اعتمادًا على وجود العقل'' (المقاصد العامۃ/ ۳۲۵)۔

(تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کی وجہ سے فضیلت عطا کی ہے، اسے سارے حیوانات پر جو دوسری خصوصیات میں انسان کے شریک ہیں امتیاز بخشا ہے، اور اسی عقل کی وجہ سے انسان اللہ کی زمین میں اس کا خلیفہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے بحر و بر کی تمام چیزوں کو اس کے لیے مسخر کر دیا ہے اور عقل ہی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی اور عبادت کا مکلف بنایا ہے)۔

ڈاکٹر یوسف حامد آگے لکھتے ہیں:

عقل کا ایک بڑی نفع بخش اور قیمتی چیز ہونا، اور انسان کی مخصوص صفت ہونا یہ ایسا متفق علیہ مسئلہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں، دنیا اور آخرت کے منافع کو حاصل کرنا شریعت کا محتاج ہے، اور شریعت کے احکام کی بنیاد عقل ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ اپنی عقل کو استعمال کرنے اور غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے، انسان کو اپنی قدرتی نشانیوں کی طرف متوجہ کیا ہے، جیسے قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾ (الذاریات:۲۱)۔

(اپنی ذات میں تم لوگ غور کیوں نہیں کرتے)۔

عزالدین عبدالسلام نے اسی موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل آیات ذکر کی ہیں : ﴿قُلِ انۡظُرُوۡا مَا ذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا تُغۡنِی الۡاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنۡ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ (یونس:۱۰۱)۔

(کہہ دیجیے کہ غور وفکر کریں آسمانوں اور زمینوں میں، کیا کیا چیزیں ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے ہیں ان کے کچھ کام نہیں آئیں گی نشانیاں اور ڈرانے والی چیزیں)۔

انسانی عقل کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کا اہتمام فرمایا اور اسے شریعت کی بنیادی مقاصد سے آگاہ کیا، علم حاصل کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے ، اللہ کے رسول ﷺ علم نافع کی دعا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ کہیے : "رب زدنی علما" (میرے پروردگار! مجھے علم میں بڑھا)، اور علم کا حصول عقل کی حفاظت کے بغیر نہیں ہوسکتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مسکرات مثلاً خمر اور دوسری نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ یہ چیزیں انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہیں، عقل ہی حفاظت کے لیے شراب پینے والے کو حد لگانے کا

حکم دیا۔

محفاظہ علی النسل:

شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد نسل کی حفاظت کرنا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارے انسانوں کو آدمؑ سے پیدا کیا اور حضرت آدم سے ان کی بیوی حوا کو، پھر ان دونوں کے ذریعہ بہت سارے انسانوں کو پیدا کیا اور انسانوں کو قبیلوں اور گروہوں میں بانٹ دیا؛ تاکہ لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔

لفظ نسل کا لغوی معنی ولد ہے، اور شریعت میں بھی نسل سے مراد اولاد ہی ہے، نسل کی حفاظت کا جائز طریقہ نکاح ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے :

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء: ۳)۔

(تم نکاح کروان عورتوں سے جو تم کو پسند آئیں)۔

اسی طرح حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے : "**تناکحوا تناسلوا فإنی مکاثر بکم الأمم یوم القیامة**" (رواہ ابوداؤد والنسائی والحاکم)۔

(نکاح کرو اور اپنی اولاد بڑھاؤ؛ کیونکہ قیامت کے دن میں دوسری امت پر کثرت کا اظہار کروں گا)۔

نکاح کا اصلی مقصد اولاد حاصل کرنا ہے اور نسل کو باقی رکھنا ہے، ڈاکٹر یوسف حامد العالم اپنی کتاب "المقاصد العامہ" میں تحریر فرماتے ہیں: "**وإن الولد**

هو أصل المقصود وله وضع النكاح، والمقصود بقاء النسل وأن لا يخلو العالم عن جنس الإنس" [ص:٤٠٣]

(اور اولاد ہی نکاح کا اصلی مقصد ہے، اسی کے لیے شریعت نے نکاح کا حکم دیا ہے اور مقصود ہے نسل کی بقاء اور دنیا میں انسانوں کے وجود کا باقی رہنا)۔

نسل کی حفاظت میں یہ بھی داخل ہے کہ منکوحہ بیوی یا مملوکہ باندی سے نسل بڑھائی جائے، اسی لیے شریعت نے نکاح کی ترغیب دی ہے اور زنا کو حرام کیا ہے، کیونکہ زنا کے ذریعہ جو اولاد پیدا ہوگی وہ غیر ثابت النسب ہوگی، اللہ تعالیٰ نے زنا سے سختی سے منع کیا ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَ سَآءَ سَبِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل:٣٢)۔

نسل کی بقا ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے باپ پر اولاد کا نفقہ واجب کیا ہے، شوہر اپنی بیوی کے نان نفقہ کا بھی ذمہ دار ہے اور اسی طرح اپنے بال بچے کی ضروریات کا بھی ذمہ دار ہے، یہ سارے احکام قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

اسی طرح شریعت نے نکاح اور طلاق کے طریقۂ کار کو بہت واضح اور انتہائی آسان بنایا ہے، آج دنیا کے بہت سے ملکوں میں طلاق کے قانون کو انتہائی پیچیدہ کر دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے جوڑے بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہتے ہیں اور جب جی چاہتا ہے الگ ہو جاتے ہیں، ان کے درمیان زنا کے ذریعہ اولاد پیدا ہوتی ہے، بعض مغربی ملکوں میں خاص طور پر امریکہ میں ایسے بچوں کی

تعداد جنھیں اپنے باپ کا پتہ نہیں ہے چالیس فیصد تک پہنچ گئی ہے، یہاں تک کہ امریکہ کے ایک صدر نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ہمارا یہی حال رہا تو امریکہ حرامیوں کا ملک ہوجائے گا۔

محافظہ علی المال:

مال انسانی زندگی کے وجود اور بقاء میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اسی لیے شریعت نے مال کمانے، اس کے خرچ کرنے کے اصول اور قواعد بیان کیے ہیں اور اس کے بارے میں بہت سارے احکام اتارے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں حلال اور حرام دونوں طرح کی کمائی کو واضح طور پر ذکر کیا ہے، اور انسان کو حلال طریقہ سے مال کمانے کا حکم دیا ہے، سود، جوا اور احتکار کے ذریعہ سے مال کمانے کی شریعت نے مذمت کی ہے، لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح مال والے شخص کو مال جمع کرنے سے اور اس میں بخل کرنے سے منع کیا ہے اور خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے، فضول خرچی اور اسراف سے منع کیا ہے، اسی طرح شریعت نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ مال چند لوگوں کے درمیان سمٹ کر نہ رہ جائے، کیونکہ عام انسانوں کی ضرورت کی چیز ہے، لوگوں کے درمیان گھومتا رہے، ان تمام چیزوں کے بارے میں قرآن وسنت میں واضح نصوص موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾

(بنی اسرائیل :۲۶۔۲۷)۔

(فضول خرچی مت کرو، فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں)۔

﴿وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ (اسراء:۲۹)۔

(اور اپنے ہاتھ کو اپنے گردن میں باندھ کر نہ رکھو اور مال خرچ کرنے میں اپنے ہاتھ کو بالکل نہ کھول دو، کہ بعد میں ملامت کیے ہوئے، ہارے ہوئے جواری کی طرح بیٹھ رہو)۔

﴿وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا﴾ (النساء:۵)۔

(اور بیوقوفوں کو اپنا مال نہ دو، جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری بقاء کا ذریعہ بنایا ہے)۔

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (بقرہ:۲۷۵)۔

(اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا)۔

اور فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (بقرہ:۲۷۸۔۲۷۹)۔

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جو تمہارا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم مومن ہو، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے

جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ)۔

﴿يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (بقرہ:۲۱۹)۔

(آپ سے لوگ سوال کرتے ہیں شراب اور جوے کے بارے میں، آپ کہیے ان دونوں چیزوں میں گناہ زیادہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ نفع بھی ہے، لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھا ہوا ہے)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۲۱ میں ان دونوں چیزوں کے حرام ہونے کا صاف طور پر اعلان کر دیا۔

قرآن پاک میں باطل طریقے سے مال حاصل کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿وَ لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (بقرہ:۱۸۸)۔

(تم آپس میں ایک دوسرے کا مال غلط طریقہ پر نہ کھاؤ)۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے : **"كل المسلم على المسلم حرام دمه و ماله و عرضه، رواه مسلم"**۔

(مسلمان کا خون اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے)۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ بتائیے اگر کوئی آدمی آئے اور میرا مال لینا چاہے، تو آپ نے کہا کہ تم اس کو اپنا مال نہ دو۔ اس شخص نے کہا کہ اگر وہ لڑنے کے لیے آمادہ

ہوجائے، آپ نے کہا کہ اس سے قتال کرو، اس شخص نے پوچھا اگر وہ مجھ کو قتل کردے، تو آپ نے کہا: تم شہید ہو، اس شخص نے کہا: اگر میں قتل کردوں، تو آپ نے کہا وہ جہنمی ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم اور امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔

غیر مسلم ممالک کے سیاسی نظام میں مسلمانوں کی شرکت کا مقاصد شریعت سے جوڑ

شریعت اسلامی کے جن پانچ بنیادی مقاصد کی حفاظت مسلمانوں کے لیے ضروری ہے ان کو سامنے رکھتے ہوئے غیر مسلم ممالک کے سیاسی نظام میں حصہ لینا ضروری ہے، کیونکہ سیاست میں مؤثر ہوئے بغیر یہ مقاصد حاصل نہیں کیے جاسکتے، ہم اپنے ملک ہندوستان میں بخوبی اس کا مشاہدہ کررہے ہیں، ۲۶ رجنوری 1950ء کو ہندوستان ایک جمہوری ملک بن گیا، ملک کا جو آئیں بنایا گیا، اس میں ہر مذہب کے ماننے والوں کو برابری کا حق ملا، صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے طریقۂ کار اور رویہ کا دارومدار ووٹ دینے والے افراد اور ان کے ارکان کے تناسب پر ہوتا ہے، جو سرکاریں مسلمانوں کے ووٹ سے کامیاب ہوتی ہیں؛ ان کے ممبران میں مسلم امیدواروں کی کامیابی کا تناسب زیادہ ہوتا ہے، وہ مسلمانوں کے جان ومال کے تحفظ پر دھیان دیتی ہیں اور مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتیں، اور اس کے برخلاف جو حکومت مسلمانوں کے ووٹ سے استغناء ظاہر کرتی ہے، اپنے امیدواروں میں مسلمانون کو ٹکٹ نہیں دیتی، وہ کامیاب ہونے کے بعد مسلم دشمنی پر آمادہ رہتی ہے، اس وقت ہم لوگ انھیں

حالات کا شکار ہیں، بھاجپا سرکار جب سے اقتدار میں آئی ہے، اسلام دشمنی کے ایجنڈے پر عمل کر رہی ہے، مسلمانوں کو تنگ کرنے اور نیچا دکھانے کا کوئی موقع وہ اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتی، 2019ء میں دوبارہ کامیاب ہونے کے بعد فوراً تین طلاق کا بل پاس کیا، کشمیر کی دفع 370، اور 35A کو ختم کر دیا، بابری مسجد کی جگہ مندر تعمیر کرنے کا اعلان کر دیا اور این. آر. سی. کا مسئلہ اٹھا کر لاکھوں مسلمانوں کو بے گھر کرنے کا پروگرام بنایا، این. آر. سی کے مسئلہ پر جامعہ ملیہ، شاہین باغ، جے این یو دلی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ان کے علاوہ پورے ملک میں مسلمانوں نے احتجاج کیا، اور پھر کرونا کی وباء نے ان کے اس مسلم دشمن منصوبے پر لگام لگا دیا، وزیر داخلہ امت شاہ سینہ ٹھوک کر یہ اعلان کرتے رہے کہ این. آر. سی. لاگو ہو کر رہے گی۔

لیکن اپنی بدنیتی اور مسلم دشمنی کی بناء پر یکے بعد دیگرے طرح طرح کے مسائل میں گھرتے جا رہے ہیں اور بالآخر ۱۰/اگست 2021ء کو وزارت داخلہ کے ایک دوسرے وزیر نے پارلیمنٹ کے اجلاس میں اعلان کر دیا کہ اس وقت این. آر. سی. لاگو کرنے کا سرکار کا کوئی ارادہ نہیں ہے، آزادی کے بعد مرکز میں لمبی مدت تک کانگریس سرکار رہی، کانگریس کی حکومت میں فسادات ہوئے، لیکن اس نے کبھی ملک کو ہندو راشٹر بنانے یا آئین بدلنے اور رام راج نافذ کرنے کا کوئی اشارہ نہیں دیا، کانگریس کی سرکار میں مسلمان ایم. پی. اچھی تعداد میں رہتے تھے، وزارتوں میں اور کیبنٹ میں مسلمانوں کو موقع ملتا تھا، اسی طرح جنتا دل کی سرکار جو وی پی سنگھ کی قیادت میں بنی تھی، اس کا رویہ بھی مسلمانوں کے

حق میں ٹھیک تھا۔ 1992ء میں نرسمہا راؤ وزیر اعظم تھے، اس کے زمانہ میں بابری مسجد گرادی گئی، پورے ملک کے مسلمانوں میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی، اس وقت اس بات کا اندیشہ تھا کہ بھاجپا اقتدار میں آسکتی ہے، قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی حیات تھے، انھوں نے پورے ملک کا دورہ کیا، سیاست دانوں سے رابطے قائم کیے، اس کے نتیجے میں جنتا دل کی سرکار دوبارہ بنی اور اس سرکار میں دیوی گوڑا اور گجرال یکے بعد دیگرے وزیر اعظم ہوئے، ان دونوں کا رویہ بھی مسلمانوں کے حق میں بہت اچھا تھا، 2004ء سے 2014ء تک دو پنج سالہ کانگریس (یو پی۔اے) کی سرکار تھی، ڈاکٹر منموہن سنگھ وزیر اعظم تھے، 2014ء میں بھارتی جنتا پارٹی اقتدار میں آئی، یہ علی الاعلان کہتی ہے کہ ہم کو مسلمانوں کے ووٹ کی ضرورت نہیں، اس پارٹی سے کسی صحیح العقیدہ مسلمان کو ٹکٹ نہیں ملتا، اس لیے یہ جماعت مسلمانوں کی ایذاء رسانی اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فیصلہ لینے میں کوئی دریغ نہیں کرتی، 71/سال دورِ حکومت کا یہ جائزہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ مسلمان اپنے ووٹ کی اہمیت سمجھیں، ملک کے سیاسی نظام میں زیادہ سے زیادہ مؤثر رول ادا کریں، اس کے بغیر وہ اپنے دین ومذہب، جان ومال اور نسل کا تحفظ نہیں کر سکتے۔

فروری 2002ء میں جب نریندر مودی گجرات میں وزیر اعلیٰ تھے اور امت شاہ وزیر داخلہ، اس وقت بھی انھوں نے گودھرا ٹرین حادثہ کو بنیاد بنا کر ایک منصوبہ بند فساد کرایا، کئی مہینہ تک سلسلہ چلتا رہا، ہزاروں مسلمان مارے گئے، مسلمانوں کا بے شمار مالی نقصان ہوا، 1947ء کے بعد یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا

قتل عام تھا، کانگریس کے ایم پی احسان جعفری بھی اپنی جان بچانے کی گوہار لگاتے رہے،لیکن وہ بھی نہیں بچے۔

وہاں بھی غور کرنے پر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مسلمان صوبائی سیاست میں غیر مؤثر تھے، گجراتی مسلمان بہت خوشحال ہیں، باہر کے ملکوں میں ان کی بڑی بڑی تجارت ہے،لیکن صوبائی سیاست میں غیر مؤثر ہونے کی بنا پر انھیں اپنی جان ومال کا بہت نقصان اٹھانا پڑا، اتفاق سے اس وقت مرکز میں بھی بھاجپا کی سرکار تھی، اور واجپئی وزیر اعظم تھے، انھوں نے ایک دو بیانات ضرور دیے،لیکن فساد روکنے کے لیے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا۔

جان ومال کے تحفظ کے ساتھ سیاست میں مضبوط شراکت کے بغیر دین کا تحفظ بھی مشکل ہے، اس وقت ملک کی جوصورت حال ہے وہ یہ ہے کہ کبھی مسلمانوں کوسوریہ نمسکار کی دعوت دی جاتی ہے، کبھی گھر واپسی کا پروگرام چلایا جاتا ہےاور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اسکول میں پڑھنے والے مسلمان لڑکوں کو بھی وندے ماترم کہنا ضروری ہوگا، یہ سب براہ راست ہمارے بنیادی عقیدے پر حملہ ہے، آج کل باقاعدہ یہ تحریک چلائی جارہی ہے کہ ہندولڑکے مسلمان لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر اپنے جال میں پھنسائیں، ایسا کرنے والوں کوایک اچھی رقم دی جائے گی اور انھیں رہنے کے لیے ٹھکانا دیا جائے گا، یہ ملک کا حقیقی نقشہ ہے، صرف خدشہ یا امکان نہیں ہے، اس کے لیے ہندو احیاء پرستی کی باقاعدہ تحریک چلائی جارہی ہے، اس ملک میں مسلمان بن کر باوقار زندگی گذارنے کے لیے سیاسی حکمت عملی اپنانا اور سیاست میں مضبوطی کے ساتھ حصہ لینا ضروری ہے، اس کے بغیر ہمارے لیے کوئی چارہ کار

نہیں اور ہم اپنے دین وایمان کا تحفظ بھی نہیں کر سکتے۔

بی جے پی سرکار میں مجموعی طور پر ملک کے حالات خراب ہوئے ہیں:

ہندوستان کی آزادی کو پون صدی ہو چکی ہے، اس طویل عرصہ میں سب سے لمبی مدت تک کانگریں کی حکومت رہی، درمیان میں جنتا پارٹی کی اور جنتا دل کی سرکاریں بنیں، بی جے پی کی حکومت ایک پنج سالہ سے کچھ زیادہ پہلے بھی رہی اور ادھر ۲۰۱۴ء سے اب تک چل رہی ہے، ۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۴ء تک دو پنج سالہ بھی کانگریس برسر اقتدار تھی جس کی قیادت وزیر اعظم منموہن سنگھ اور صدر کانگریس سونیا گاندھی کے ہاتھ میں تھی، بی جے پی نے کانگریس سرکار پر سب سے زیادہ مہنگائی کا الزام عائد کیا اور الیکشن جیتنے کے لئے لوگوں کو طرح طرح سبز باغ دکھائے، انتخاب سے قبل بہت زور وشور سے یہ تشہیر کی جارہی تھی کہ سوئزلینڈ میں جو رقم جمع ہے وہ واپس لائی جائے گی اور ہر آدمی کے کھاتہ میں ۱۵/لاکھ روپے آجائیں گے۔

یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ ہر سال دو کروڑ لوگوں کو ملازمت دی جائے گی، نریندر مودی موجودہ وزیر اعظم بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہتے تھے کہ میں دیس بکنے نہیں دوں گا اور ملک کی زمین پر کسی کا قبضہ نہیں ہونے دوں گا، ملک کو معاشی ترقی کی نئی رفتار دوں گا، ان کے سارے بیانات ریکارڈ ہیں، ان کی سرکار کو آٹھواں سال چل رہا ہے سارے وعدے کھوکھلے ثابت ہوئے، نہ پندرہ لاکھ روپے لوگوں کے کھاتے میں آئے، نہ ہی سالانہ ملازمتوں میں اضافہ ہوا۔

نوٹ بندی نے اور بے روزگاری نے معاشی حالات خراب کردیئے، مودی حکومت میں بہت سرکاری اثاثے بک گئے اور بکتے جارہے ہیں، ایرانڈیا، لائف انشورنس کمپنی، ہوائی اڈے، ریل گاڑیاں، اسلحہ کی فیکٹریاں بہت حد تک فروخت ہوچکی ہیں، ان چیزوں کا بیچنا ملک کے لئے انتہائی افسوس ناک ہے اور اس کی معاشی کمزوری کی دلیل ہے۔

ادھر بینکوں کو پرائیوٹ کمپنیوں کو دینے کا پروگرام ہے، بینک ملازمین اس کے خلاف ہڑتال کررہے ہیں، سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے ۱۹۶۹ء میں پرائیوٹ بینکوں کو سرکاری تحویل میں لیا تھا، یہ اندرا گاندھی کا ایک بڑا حوصلہ مند اقدام تھا، بینکوں کی نجکاری سے کئی طرح کے نقصانات ہوں گے، لاکھوں سرکاری ملازمت ختم ہوجائے گی اور عوام کی رقم غیر محفوظ ہوجائے گی، پرائیوٹ بینک کا کوئی بھروسہ نہیں، اس کے مالکان کب ملک چھوڑ دیں یا اپنے آپ کو دیوالیہ ثابت کردیں کوئی ٹھکانہ نہیں۔

ملک کے معاشی نظام کی بدحالی کی وجہ سے بڑی بڑی غیر ملکی کمپنیوں نے اپنا سرمایہ سمیٹ لیا ہے، ان میں کام کرنے والے لاکھوں افراد بے روزگار ہوگئے، ۲۰۱۶ء کی نوٹ بندی کی وجہ سے پہلے ہی سے لوگوں کا بینکوں پر اعتماد کم ہوگیا تھا، اب نجکاری کی صورت میں اور بھی زیادہ بداعتمادی پیدا ہوگی، بڑے بڑے جو لمبی لمبی رقم بینکوں میں بے خوف وخطر چھوڑے رہتے تھے ان کے دل میں بے اطمینانی پیدا ہونا ایک فطری بات ہے۔

جہاں تک خارجہ پالیسی کا سوال ہے اس میں کافی گرواٹ آئی ہے، پڑوسی

ملکوں سے تعلقات خراب ہو گئے ہیں، چین لداخ اور اروناچل پردیش میں قبضہ کرتا جارہا ہے، ایک بار وزیر دفاع راجناتھ سنگھ نے پارلیامنٹ میں بھی اس کا اعتراف کیا،لیکن وزیر اعظم خاموش ہیں، پہلے کہتے تھے کہ ہم اپنے ملک کی ایک انچ زمین پر کسی کا قبضہ نہیں ہونے دیں گے، چین کی دراندازی بڑھتی جارہی ہے، گلوان پہاڑی پر اس نے اپنا جھنڈا گاڑ دیا اور اروناچل میں گاؤں بسا لیا،لیکن ہمارے سربراہ نے اس اہم مسئلہ کو نظر انداز کر رکھا ہے، اس لئے یہ بالکل صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ملک بی جے پی حکومت میں دن بدن ناکامی کی طرف جارہا ہے۔

مسلمان سیاست میں حصہ داری کے لیے
کون سا طریقہ اپنائیں

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں فرقہ پرستی عروج پر ہے اور پورا ملک ذات برادری میں بٹا ہوا ہے، کہیں مذہب کے نام پر ورغلایا جاتا ہے اور کہیں ذات برادری کا حوالہ دے کر ووٹروں کو لبھایا جاتا ہے، ایسے ملک میں سیاست میں مؤثر بننے کے لیے مذہب کے نام پر کوئی پارٹی بنا کر کامیاب ہونا بہت مشکل ہے، علاقائی طور پر چند سیٹیں اسمبلی یا پارلیمنٹ میں جیتی جاسکتی ہیں، لیکن ملک کے سیاسی نظام میں ایسی مضبوط حصہ داری جس سے ہم مرکزی حکومت میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کریں یا صوبوں میں ہمارے نمائندگان بڑی تعداد میں کامیاب ہوکر اپنے پاور کا استعمال کرنے کی پوزیشن میں ہوں اور مؤثر رول ادا کرنے کے قابل ہوں بہت مشکل عمل ہے۔

جموں کشمیر کے علاوہ ہندوستان کے کسی اور صوبہ میں اس کی گنجائش نہیں دیکھائی دیتی ہے، اس موضوع پر دو بڑے مسلم رہنماؤں نے جو ملکی سیاست میں بھی کافی درک رکھتے تھے، (۱) سابق صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا سید اسعد مدنیؒ اور (۲) امارت شرعیہ بہار کے قاضی القضاۃ اسلامک فقہ اکیڈمی

کے بانی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سابق صدر قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اس موضوع پر بحث مباحثہ کرایا، بہت سارے لوگوں نے مقالات لکھے، میٹنگوں میں مناقشے ہوئے ،لیکن دونوں حضرات اس نتیجے پر پہنچے کہ ہم اس ملک میں الگ پارٹی بنا کر اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے ، بلکہ اس کا ردعمل یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسرے لوگوں میں مذہب کے نام پر اور شدت پیدا ہوجائے اور مسلم دشمن پارٹیاں اس کا فائدہ اٹھائیں، غیر مسلموں میں ایک بڑا طبقہ آج بھی سیکولر ہے، مختلف مواقع پر مسلمانوں کے حق میں آواز اٹھاتا ہے، لیکن جب مسلمان اپنی الگ پارٹی بنائیں گے تو وہ بھی دوسری طرف جاسکتے ہیں، بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یوپی میں یادو برادری مسلمانوں سے کم ہیں اور وہ الیکشن میں جیت کر وزیر اعلیٰ بن جاتے ہیں، بہوجن سماج پارٹی نے کئی بار الیکشن جیت کر یوپی کی باگ ڈور سنبھالی تو مسلمان اپنی الگ پارٹی بنا کر کامیاب کیوں نہیں ہوسکتے ، اس کا صاف جواب یہ ہے کہ ابھی 2021ء میں آسام میں الیکشن ہوا، وہاں مسلمانوں کا تناسب یوپی سے زیادہ ہے، یو. ڈی. ایف. کے رہنما مولانا بدرالدین اجمل نے کانگریس پارٹی کے ساتھ اتحاد بھی قائم کیا،لیکن یہ محاذ الیکشن ہار گیا، اس کے مقابلہ میں بنگال میں مسلمانوں نے ترنمول کانگریس کا ساتھ دیا بھاجپا نے بڑے بڑے دعوے کیے اور بہت پیسہ خرچ کیا،ترنمول کانگریس کے بڑے بڑے لیڈروں کو خریدا، اور وزیر اعظم، وزیر داخلہ اور مرکزی وزراء اور ممبران پارلیمنٹ کی ایک بڑی ٹیم نے انتخابی مہم میں حصہ لیا،لیکن بھاجپا الیکشن ہار گئی۔

ترنمول کانگریس کے ٹکٹ سے بیالیس مسلمان الیکشن لڑ رہے تھے، ان میں سے اکتالیس جیت گئے۔ ظاہر ہے کہ جس صوبہ میں 284 رسیٹیں ہیں اگر جیتنے والی پارٹی کے ساتھ اکتالیس ممبران ہیں تو وہ حکومت مسلمانوں کو نظر انداز نہیں کرسکتی، اس لیے سیاسی نظام میں مؤثر بننے کے لیے الگ پارٹی بنانا زیادہ مفید نہیں ہوسکتا، البتہ مختلف سیاسی پارٹیوں میں ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ کس پارٹی کا منشور مسلمانوں کے خلاف ہے اور کس کا مینوفیسٹو (انتخابی منشور) مسلمانوں کے حق میں ہے، مختلف پارٹیوں کے تعلق سے جو ماضی کے تجربات ہیں، سیاسی تجربہ کار چاہے وہ علماء ہوں یا دانشور، بہ آسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کس صوبہ میں کون سی پارٹی مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے اور پارلیمنٹ کے الیکشن میں کس پارٹی کو کامیاب بنا کر ملک کے آئین کی حفاظت ہوگی، ہماری جان مال اور مذہب کا تحفظ ہوگا، اور کون سی پارٹی ہمارا استحصال کرسکتی ہے، اور ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت اور پارٹی کے انتخاب کی بنیاد:

مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے ووٹ کے بارے میں تین حیثیتوں کا ذکر کیا ہے:
(۱) شہادت (۲) شفاعت (۳) وکالت، مفتی صاحب اپنی مشہور کتاب جواہر الفقہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام ہے۔
مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے بھی اسی رائے کی تائید کی ہے، شہادت

کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :﴿وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ﴾ (اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے)۔

ووٹ کو اگر شفاعت یعنی سفارش مانا جائے تو یہ بھی ایک بڑی ذمہ داری کی بات ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ (اور جو شخص بری سفارش کرتا ہے اس میں اس کو حصہ ملتا ہے)، اسی طرح اگر ووٹ کو وکالت مانا جائے تو ہمارے ووٹوں سے جیت کر جو امیدوار کامیاب ہوگا اگر وہ غلط کام کرتا ہے تو اس میں ہماری بھی ذمہ داری ہوگی، چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

''تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح اور قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نااہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی، اس کے تباہ کن ثمرات کا ذمہ دار جیسے امیدوار ہوگا ووٹ دینے والا بھی اپنے آپ کو بالکل بری نہیں کرسکتا'' (انتخابات میں ووٹ، ووٹر، امیدوار کی شرعی حیثیت: جواہر الفقہ ۱/ ۲۹۳)۔

ہندوستان جیسے ملک میں حالات مختلف ہیں، اس لیے علماء نے ووٹ کی ان تین حیثیتوں کے ساتھ ایک چوتھی حیثیت کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ ہے رائے اور مشورہ، کیونکہ Votefor کا معنی رائے دینا ہوتا ہے تو گویا ووٹر امیدوار کے حق میں اپنی رائے اور اپنا مشورہ دے رہا ہے، البتہ اسے اس رائے اور مشورہ میں بھی

ایمانداری کا ثبوت دینا چاہیے، کیونکہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے :
''المستشار مؤتمن'' یعنی جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے، مسلمان ووٹر اگر ایسے شخص کو ووٹ دے گا جو اسلام کو نقصان پہنچانے والی پارٹی سے تعلق رکھتا ہے تو اس کا یہ عمل تعاون علی الاثم والعدوان ہونے کی بنا پر گناہ ہے، اس لیے انتخاب کے موقع پر مسلمانوں کو ایسی پارٹی کا انتخاب کرنا ہوگا جس کے بارے میں یہ گمان غالب ہو کہ وہ ملک کے آئین کا تحفظ کریں گے اور مسلمانوں کے دین، جان، مال، عزت آبرو کو نقصان پہنچانے والا کوئی اقدام نہیں کریں گے۔

چونکہ الیکشن سے مسلمانوں کے اجتماعی مفادات، دینی مصالح کا قیام اور بہت سے مفاسد کا ازالہ وابستہ ہوتے ہیں، اس لیے پارلیمنٹ اور صوبائی انتخابات میں امیدوار کو چننے میں بنیادی طور پر پارٹی کو دیکھنا چاہیے، جو پارٹی اپنے منشور میں اعتدال رکھتی ہو اور عملی تجربہ سے اس کا سیکولر ہونا ظاہر ہو، ماضی میں اس نے مجموعی طور پر اقلیتوں کے مفاد کو سامنے رکھا ہو، اور اکثریت سے مرعوب ہوئے بغیر اقلیتوں کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کیا ہو تو اس پارٹی کے امیدوار کا انتخاب کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگا، ہندوستانی سیاست میں اب تک جو تجربات سامنے آئے ہیں اس کو سامنے رکھ کر علماء اور دانشوروں کے لیے اس کا انتخاب کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، ادھر چند سالوں سے جو سیاسی جماعت اقتدار میں ہے اور جس کے ہاتھ میں مرکز کی باگ ڈور ہے اس کا رویہ مسلمانوں کے تئیں ظلم اور ناانصافی کا ہے، اس نے مسلم اقلیت کو خاص طور

پر نشانہ بنایا ہے اور جن صوبوں میں اس کی حکومت ہے وہاں کے مسلمان انتہائی ضیق اور تنگی محسوس کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نجات کی دعاء کر رہے ہیں، اس لیے آنے والے انتخابات میں پہلے سے چوکنا رہنا ہوگا اور اس کے لیے منصوبہ بندی بھی کرنی ہوگی۔

کامیابی کے لیے مسلمانوں کا اتحاد بڑی اہمیت کا حامل ہے

الیکشن میں کامیابی کے لیے مسلم ووٹوں کو بکھراؤ سے بچانا اور مسلمانوں میں نظریاتی اتحاد اور اتفاق ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے، قرآن وسنت میں ہمیں آپسی اختلاف سے بچنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (الانفال:۴۶)۔

(آپس میں نہ جھگڑو، ورنہ تم بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی)۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰) (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "**المؤمنون كالبنيان يشدّ بعضه بعضا**" (مومن ایک عمارت کی طرح ہیں، جس میں بہت ساری اینٹیں لگی ہوئی ہیں)، جس طرح عمارت کی تمام اینٹیں ایک دوسرے کی مضبوطی کا سبب ہوتی ہیں، اسی طرح امت کے افراد کا اتحاد مضبوطی پیدا کرتا ہے، دوسرے موقع پر آپ

نے فرمایا :''المسلمون کجسد واحد'' (سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں)، جیسے بدن کے کسی حصے کی تکلیف پورے بدن کو متأثر کرتی ہے، اسی طرح امت کے کسی گروہ کی پریشانی پوری امت کے لیے الجھن اور اضطراب کا سبب بنتی ہے۔

الیکشن کا معاملہ بہت نازک اور حساس ہوتا ہے، مخالف پارٹیاں مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں، بعض جگہوں پر جہاں مسلمانوں کا ووٹ بڑی مقدار میں ہوتا ہے اپنے آپ کو مسلمانوں کا ہمدرد کرنے والی متعدد پارٹیاں مسلم امیدوار کھڑا کر دیتی ہیں، مسلم ووٹ تقسیم ہوجاتا ہے اور مخالف پارٹی کا امیدوار جیت جاتا ہے، ایسے مواقع پر سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے دانشوروں کی رہنمائی ضروری ہے اور مسلم عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے رہنماؤں کے مشورے پر عمل کریں، اور ووٹوں کو ضائع ہونے سے بچائیں، بعض مرتبہ تھوڑی سی ناسمجھی بہت بڑے نقصان کا سبب ہوتی ہے اور سیاسی سوجھ بوجھ اور اتحاد واتفاق کا مظاہرہ مسلمانوں کے لیے انتہائی مفید اور نفع بخش ہوتا ہے، اس کی بہترین مثال بہار اور بنگال کا حالیہ کا الیکشن ہے، بنگال میں مسلمانوں کے اتحاد نے بی جے پی کی کمر توڑ دی اور بہار کے کچھ علاقوں میں ناسمجھی کی بنا پر مسلمان کامیابی کے قریب پہنچتے پہنچتے رہ گئے، بعض مرتبہ مخالف پارٹیاں انتخابی مفاد کے لیے مسلمانوں کے درمیان مسلکی اختلاف کو ہوا دینا چاہتی ہیں، کہیں کہیں اس کا بھی نقصان ہوتا ہے، ہمارے قریب میں ایک چھوٹا سا قصبہ ادری ہے اور دوسرا بڑا قصبہ گھوسی ہے، دونوں جگہوں پر ٹاؤن ایریا اور نگر پالیکا کے انتخاب کے موقع پر بی جے پی کے لوگ بریلوی

مسلک کے علماء کو بلا کر تقریر کرواتے ہیں؛ تا کہ مسلمانوں کا ووٹ تقسیم ہوجائے اور مسلمان دیوبندی بریلی دو حصوں میں بٹ جائیں، یہ طریقہ اپنا کر کئی بار بی جے پی نے کامیابی حاصل کی، ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمان اسلام کے لیے لڑ رہے ہیں اور سارے مسلک کے لوگ اسلام کی بقاء اور مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کی باتیں کرتے ہیں، الیکشن کے موقع پر ان کا دوسروں کی سازش سے تقسیم ہوجانا انتہائی افسوسناک بھی ہے اور بہت بڑے نقصان کا باعث بھی، اگست 2021ء میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز کے ڈائریکٹر ڈاکٹر منظور عالم صاحب نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کے موضوع پر ایک کانفرنس کی جس میں ملک کے مقتدر علماء کرام نے شرکت کی، یہ انتہائی مثبت قدم ہے اور سارے ملک کے مسلمانوں کے لیے ایک خوش آئند بات ہے۔

علامہ اقبال نے مسلمانوں کو اسی قسم کے اختلاف سے بچانے کے لیے بہت اچھا پیغام دیا ہے۔ ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

مسلمانوں کے آپسی اختلافات کو کم کرنے اور اتحاد واتفاق کو مضبوط کرنے کا طریقہ

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے ایک دردمند دل اور مستقبل کے تجزیہ کی صلاحیت رکھنے والا روشن دماغ عطا فرمایا تھا، جنھیں امت کا اتحاد بہت عزیز تھا اور ملت اسلامیہ کا اختلاف وانتشار بڑی پریشانی کا باعث تھا، انھوں نے ۲۰۰۰ء میں ایک سمینار اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت پر کیا، انھوں نے اس موضوع کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ ائمہ کے اختلافات کی صحیح صورت حال امت کے پیش نظر رہے اور وہ اسے آپسی جدال اور نزاع کا موضوع نہ بنائیں، حضرت قاضی صاحب اس معاملہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے طریقہ کار کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتے تھے، عصر حاضر کے ایک بڑے عالم مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، امیر الشریعہ رابع مولانا منت اللہ رحمانیؒ ان لوگوں کا بھی انداز فکر یہی تھا، ہم سب کے مقتدیٰ اور پیشوا ہندوستان کے مشہور عالم اور بزرگ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وسعت نظر بھی اس معاملہ میں چشم کشا ہے، انھوں نے الحیلۃ الناجزۃ لکھ کر اور بعض دوسرے مسائل میں مسلکی وسعت کو قبول فرما کر اپنے بعد کے علماء کے لیے ایک راستہ کھولا، ان حضرات کے علاوہ دیوبندی مکتبہ فکر کے چوٹی کے علماء علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ احمد شبیر عثمانی اور خود مولانا محمد قاسم

نانوتویؒ کے دوست اور دیوبندی مکتب فکر کے سب سے بڑے محدث اور فقیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے متعدد مسائل میں جہاں دوسرے مسلک کی دلیلیں مضبوط تھیں، تنگی کا راستہ اپنانے کے بجائے دوسرے فقہاء کے اقوال کو ترجیح دیا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت'' کے مجلہ میں اپنے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

''افسوس کہ ادھر کچھ عرصہ سے فقہی اختلاف رائے جو عہد صحابہ سے ہے اور جس کو سلف صالحین نے کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا کہ یہ حق و باطل کا اختلاف ہے اس کی وجہ سے دل تقسیم نہیں ہوئے اب ان کو ایک دوسرے کو نیچا دیکھانے، مخالف نقطۂ نظر کو گمراہ ثابت کرنے اور ان کو باطل ٹھہرانے کے لیے استدلال کیا جارہا ہے'' (اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت: ص ۱۳)۔

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی کتاب ''تقلید کی شرعی حیثیت'' بھی انتہائی اہم ہے، اس کتاب میں انھوں نے اپنی دوسری کتابوں کی طرح انتہائی معتدل راہ اپنائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اسی طرح یہ اعتقاد بھی تقلید کا بدترین غلو ہے کہ صرف ہمارے امام کا مسلک حق ہے اور دوسرے مجتہدین کے مذاہب (معاذ اللہ) باطل ہیں'' (تقلید کی شرعی حیثیت: ص ۱۵۷)۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین نے اجتہاد کی شرائط کو سامنے رکھ کر قرآن وحدیث کی صحیح مراد معلوم کرنے کی کوشش کی، اگر کسی سے اجتہادی غلطی ہوئی تو اللہ کے نزدیک نہ وہ صرف معاف ہے؛ بلکہ اپنی کوشش صرف کرنے کی

وجہ سے وہ حضرات مستحق ثواب ہیں، جس کی تصریح احادیث میں موجود ہے، البتہ ایک مقلد یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ میرے امام کا مسلک صحیح ہے، مگر اس میں خطا کا بھی احتمال ہے اور دوسرے مذاہب میں ائمہ سے اجتہادی خطا ہوئی ہے، لیکن ان میں صحت کا بھی احتمال ہے (تقلید کی شرعی حیثیت: ص ۱۵۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم فقہاء کے آپسی اختلاف کو حق و باطل کا اختلاف نہیں سمجھتے، بلکہ ایک رائے کو ثواب محتمل خطا، اور دوسری رائے کو خطا محتمل ثواب سمجھتے ہیں، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سمینار کے خطبات میں یہ بات بار بار کہا کرتے تھے کہ ائمہ مجتہدین کا چھوڑا ہوا ذخیرہ پوری امت کی ایک مشترکہ میراث ہے اور وہ امت محمدیہ پر ان حضرات کا ایک عظیم احسان ہے، ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

آج کے مادی انقلابات کے دور میں ہم روز نئے نئے حالات سے دو چار ہو رہے ہیں، ان تغیر پذیر حالات میں فقہاء مجتہدین کے ارشادات ہماری بہترین رہنمائی کر رہے ہیں، چنانچہ ان جدید مسائل کو حل کرنے کے لیے دنیا بھر میں بڑی بڑی اکیڈمیاں کام کر رہی ہیں، جیسے مکہ فقہ اکیڈمی، جدہ انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، ادارہ المباحث الفقہیہ، جمعیۃ علماء ہند، ان تمام اداروں میں نئے نئے مسائل پر سمینار منعقد ہو رہے ہیں، بہت سارے مسائل میں جمود اور تنگی کا راستہ چھوڑ کر فقہاء کرام اور مفتیان عظام ائمہ اربعہ کے فقہی اجتہادات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خاص طور پر مکہ اکیڈمی اور جدہ اکیڈمی میں ہر مکتب فکر کے علماء شریک ہوتے ہیں، اور اپنا اپنا موقف دلیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں، ان اکیڈمیوں کے

طریقہ کار کا ایک مثبت پہلو یہ سامنے آیا کہ عام طور پر بڑے علماء مسلکی تعصب سے نکل کر قرآن وحدیث کے دلائل اور فقہاء کے اجتہادات میں مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کویت حکومت نے پینتالیس جلدوں میں ''الموسوعۃ الفقہیہ'' لکھوا کر اس سلسلہ کا ایک بڑا زبردست علمی کارنامہ انجام دیا، اس کتاب کی تیاری میں ہر مسلک کے علماء شامل ہیں اور چاروں ائمہ کے فقہی اقوال ہر باب میں مذکور ہیں۔

علامہ شامی نے اپنی مشہور کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' میں ائمہ اربعہ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''**إذا صح الحديث فهو مذهبي**'' (شرح عقود رسم المفتی: ص ٦٧، مکتبہ سعیدیہ سہارنپور)، اس لیے کہ ہر امام کو یہ احساس تھا کہ ساری حدیثیں مجھ تک نہیں پہنچیں، اگر کوئی حدیث اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہو اور میرا اجتہاد اس کے خلاف ہو تو آپ کا فرمان سر آنکھوں پر، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی مشہور کتاب ''رفع الملام عن الأئمۃ الأعلام'' میں ائمہ مجتہدین کا بہترین دفاع کیا ہے اور فقہاء کے درمیان اختلاف کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے، بعض لوگ امام ابوحنیفہ پر بیجا اعتراض کرتے ہیں کہ وہ بہت سارے مسائل میں قیاس کرتے ہیں اور ان کے ماننے والے انھیں کے قول کو حرف آخر سمجھتے ہیں، اس طرح کی باتیں وہی شخص کرسکتا ہے جو حنفی فقہ کی کتابوں سے واقف نہ ہو، امام ابوحنیفہؒ کے دو مشہور شاگرد قاضی ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی ہیں، فقہ کی کتابوں میں ان گنت جگہوں پر ان حضرات کی رائے اپنے استاذ کی رائے کے خلاف ہے اور محقق حنفی علماء نے بعد کے ادوار میں بہت سارے مسائل میں ان حضرات کے قول کو فتویٰ کے لیے ترجیح

دیا ہے، امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد امام زفر ہیں، علامہ ابن عابدین شامی نے اپنی مشہور کتاب ردمحتار میں یہ لکھا ہے کہ سترہ جگہوں میں فتویٰ امام زفر کے قول پر ہے (ص ۴۵)۔

کیا موجودہ صورت حال میں بی. جے. پی میں مسلمانوں کی رکنیت اور شمولیت جائز ہے؟

اس وقت مرکز میں بی جے پی حکومت کو آٹھواں سال چل رہا ہے، یوپی اور بعض صوبوں میں بھی انھیں کی حکومت ہے، ان لوگوں کا رویہ مسلم دشمنی کے ارد گرد گھوم رہا ہے، ہزاروں مسلمانوں کو جیلوں میں ڈال کر ان کے اوپر خطرناک دفعات لگادی گئی ہیں، دسمبر 2019ء میں انھوں نے این آر سی بل پاس کیا، اس کا براہ راست نشانہ مسلمان تھے، جمہوری ملک میں احتجاج کرنا قانونی حق ہے، اس بل کے خلاف مسلمانوں نے جگہ جگہ احتجاج کیا، اس کو بہانہ بنا کر ہزاروں لوگوں کو گرفتار کیا، اور ان پر طرح طرح کے دفعات لگائے، فروری 2020ء میں دہلی اسمبلی انتخاب میں شکست کھانے کے بعد وہاں منصوبہ بند طریقہ سے فساد کرایا اور بہت سے بے گناہ مسلمانوں کو گرفتار کیا، ان کو بھی طرح طرح کی دفعات میں جکڑ دیا اور مسلمانوں کا زبردست جانی ومالی نقصان کیا، مارچ 2020ء میں ملک میں پہلی کرونا لہر آئی، اس موقع پر پورے ملک میں تبلیغی جماعت کو نشانہ بنایا، ہزاروں ملکی اور غیر ملکی لوگوں کو گرفتار کیا اور بعض بعض جگہ دوسرے مقدمات کے ساتھ اقدام قتل کا مقدمہ ان کے اوپر قائم کیا، ان کے علاوہ بہت سارے ایسے واقعات ہیں جن سے ان کا ظالمانہ رویہ بالکل واضح ہے، یہ مسلمانوں کے

جان ومال پر حملہ تو کرتے ہیں، ان کے دین ومذہب کو بھی نشانہ بناتے ہیں اور بے جی پی حکومتیں کھلے عام ملک کے آئین کی مخالفت کرکے بین المذاہب ہونے والی شادی کو لو جہاد کا نام دے کر مسلمانوں کو پریشان کررہی ہیں اور تبدیلئ مذہب کا بہانہ بنا کر کتنے لوگوں کو جیل میں ڈال دیا ہے، ان حالات میں ایسی سیاسی پارٹی کو ووٹ دینا اور ان کا خصوصی ممبر بننا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، ۲۰۰۴ء میں جب اٹل بہاری واجپئی کی حکومت تھی اور ان کا رویہ آج کے حکمرانوں کے معاملے میں تھوڑا نرم تھا، اس وقت اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے سمینار میں اس موضوع کو شامل کیا اور جو تجاویز پاس ہوئیں ان میں تیسری تجویز یہ ہے:

''جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو'' (مجلہ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل: ص ۴۵)۔

اس مسئلہ میں ہمیں قرآن پاک سے واضح طور پر روشنی ملتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (مائدہ:۲)۔

(نیکی اور تقویٰ کے کام میں مدد کرو، گناہ اور ظلم میں مدد نہ کرو)۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ

اَوْلِیَآءَ﴾ (مائدہ:۵۷)۔

(اے ایمان والو! ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو مذاق اور کھیل سمجھتے ہیں، چاہے وہ تمہارے پہلے کے اہل کتاب ہوں یا کافر ہوں)۔

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَ قَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ﴾ (ممتحنہ:۱)۔

(اے ایمان والو! میرے دشمن کو اور اپنے دشمن کو ایسا دوست نہ بناؤ کہ تم ان کے ساتھ محبت کرنے لگو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے انھوں نے اس کا انکار کیا ہے)۔

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ﴾ (مجادلہ:۲۲)۔

(آپ نہیں پائیں گے ان لوگوں کو جو آخرت پر اور اللہ پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے جھگڑنے والوں سے محبت کریں، چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے قبیلے کے لوگ ہوں)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اپنی الگ پارٹی بنانا بھی مفید نہیں ہے، بی جے پی میں جا نہیں سکتے تو کیا کریں، اس سلسلے میں اسی سمینار کی چوتھی تجویز ہے:

''جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدہ کیے جاسکتے ہیں''۔

پارلیامنٹ اور اسمبلی کے الیکشن میں صورت حال کا صحیح جائزہ لے کر مسلمان

کسی سیکولر پارٹی سے معاہدہ کرسکتے ہیں، حالات اور تجربہ کے اعتبار سے یہ انتخاب کیا جائے گا، جیسے بنگال میں مسلمانوں نے ٹی ایم سی کو ترجیح دی، بہار میں نتیش کمار کے بدعہدی کے بعد راشٹریہ جنتا دل کو ترجیح دیا، کئی صوبوں میں کانگریس کو اختیار دیا، ہندوستان کی تمام بڑی سیاسی پارٹیوں میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، لیکن جس پارٹی سے ہمیں نقصان کا اندیشہ کم ہو اور وہ مسلم کاز میں مسلمانوں کی حمایت کرے، اہون البلیتین کے ضابطے سے اس کو ترجیح دی جاسکتی ہے، حضرت مولانا اسرارالحق صاحب قاسمیؒ سابق ایم پی جو اچھے عالم اور مخلص سیاسی رہنما تھے وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ہمارا واقعی حق ہمیں کسی پارٹی نے نہیں دیا، لیکن دستور کی بنیاد پر ہم اپنے حق کا مطالبہ کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں اور بی جے پی اسی دستور کو ختم کردینا چاہتی ہے، تاکہ مطالبہ کرنے کا حق ہی باقی نہ رہے، تمام پارٹیاں حکومت بنانے کے وقت دستور پر عمل کرنے کا حلف لیتی ہیں، لیکن بی جے پی ملک کے آئین میں کئی بار ایسی تبدیلی کرچکی ہے جس سے مسلمانوں کا پرسنل لاء متأثر ہورہا ہے اور ان کے لیے طرح طرح کے مسائل کھڑے ہورہے ہیں۔

سیاسی حالات پر نظر رکھنا بھی علماء کی ذمہ داریوں میں شامل ہے

علماء کرام کا ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو سیاسی حالات پر گہری نظر رکھتا ہو، تا کہ یہ جماعت قرآن وسنت کی جانکاری کے ساتھ سیاسی معاملات میں امت کی صحیح رہنمائی کر سکے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کہا کرتے تھے کہ علماء کے لیے کھل کر سیاسی میدان میں آنے کے بجائے ان کا سگنل دینا زیادہ مفید ہے، معاشرت، معاملات، عبادات، عقائد کے اندر جس طرح علماء کی رہنمائی ضروری ہے اسی طرح امت کو صحیح راہ دکھانے کے لیے سیاسی امور میں بھی مخلص علماء کی راہنمائی انتہائی دور رس نتائج کی حامل ہوگی، ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے علماء کرام کی قیادت اور قربانیاں پورا ملک مانتا ہے، آزادی کے بعد ملک میں دو بڑی سیاسی پارٹیاں تھیں، کمیونسٹ اور کانگریس، آزادی کے بعد ہندوستان میں کمیونزم نظریہ تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا، مسلمان مارکس اور لینن کے نظریات سے متأثر ہو رہے تھے، بعض لوگ صرف ووٹ دینے کی حد تک کمیونسٹ پارٹی میں شامل رہے، لیکن بعض ایسے لوگ بھی تھے جو نظریاتی طور پر کمیونزم سے قریب تھے، ان میں مذہب بیزاری کا رجحان پیدا ہو رہا تھا، ہمارے شہر مئو میں جو ایک چھوٹا سا قصبہ تھا اور جہاں مدارس اور علماء کی کثرت بھی

ہے، سینکڑوں لوگ الحاد کی طرف جارہے تھے، روزہ، نماز چھوڑ دیا تھا، مذہبی لوگوں کو قدامت پسند کہتے تھے، اس وقت ابوالمآثر محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور مولانا عبداللطیف نعمانی سابق ایم. ایل. اے. اور سابق چیئرمین اور ان کے رفقاء لوگوں کی صحیح قیادت کرتے رہے، ملک کے دوسرے حصوں میں علماء کرام نے مسلمانوں کو کمیونزم کی حقیقت سے آگاہ کیا، اس طرح مسلمانوں کی اکثریت آہستہ آہستہ اس سے دور ہوگئی۔

اگر علماء کرام اپنے آپ کو سیاست سے الگ رکھتے تو جس طرح وسط ایشیاء کے بہت سے مسلم ممالک کمیونزم کا شکار ہوگئے، ہمارے ملک کے مسلمانوں کے لیے بھی یہی خطرہ تھا، اسی طرح سے کانگریس پارٹی نے بھی جب جب حد سے تجاوز کیا، علماء نے مسلمانوں کو خوب متنبہ کیا، اندرا گاندھی ایک طاقتور لیڈر تھیں، لیکن جب 1975ء میں ایمرجنسی لگائی اور جبری نس بندی کا بیڑہ اٹھایا، علماء کرام نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ الیکشن ہار گئیں، اقتدار میں دوبارہ آنے کے بعد مراد آباد کی عیدگاہ میں نماز کے وقت گولی چلوائی، جس میں دوسو مسلمان مر گئے، اس وقت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے بارہ دری لکھنؤ میں ایک بڑا مسلم کنونشن طلب کیا، اس میں انھوں نے کھلے طور پر اندرا گاندھی پر تنقید کی اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، آج ملک انتہائی نازک دور سے گذر رہا ہے، علماء اگر سیاسی رہنمائی نہیں کریں گے تو مسلمانوں میں بکھراؤ اور انتشار پیدا ہوگا، اس لیے علماء کرام کا حالات سے آگاہ رہنا اور امت کی قیادت کا فریضہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

اسلام رہبانیت نہیں سکھاتا، بلکہ عمل کی دعوت دیتا ہے، علماء کا اپنے آپ کو صرف مدرسہ مسجد تک اور خانقاہ تک محدود کر لینا صحیح نہیں ہے، مولانا الیاس صاحب کی دعوتی تحریک نے ایک سبق یہ بھی دیا کہ امت کی بد دینی سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ ان میں گھس کر محنت کرنے اور کام کرنے کی ضرورت ہے، علامہ اقبال نے بہت صحیح کہا ہے ؎

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

آج ہم دنیا کے بعض ملکوں میں یہ دیکھ رہے ہیں کہ جہاں علماء سیاسی حالات سے مایوس ہو کر ملک چھوڑ کر چلے گئے، وہاں عوام الناس کا طبقہ دین سے دور ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہوا، اس کی بڑی مثال سیریا، لیبیا اور عراق ہے، یہ تینوں مسلم ملک ہیں، لیکن ان ملکوں سے جب علماء کی ایک بڑی تعداد حالات سے مایوس ہو کر دوسرے ملکوں میں چلی گئی تو باطل طاقتوں کو اپنا کام کرنے کا بھرپور موقع ملا، سیریا جو سنیوں کا ملک تھا، اسے تباہ کر دیا گیا، لاکھوں آدمی مارے گئے، لاکھوں آدمی ملک چھوڑ کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، یورپی ملک کے لوگ انھیں اپنا شہری بنانے کے لیے مذہب بدلنے کا لالچ دے رہے ہیں، میانمار میں لاکھوں مسلمان مارے گئے اور وہاں کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی دوسرے ملکوں میں پناہ گزیں ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہندوستان پر کہ یہاں کے علماء نے انگریزوں کا مقابلہ کر کے ملک کو آزاد کرایا، آج آزادی کے ۷۵ رسال بعد بھی ہر طرح کے حالات سے نمٹتے ہوئے دین کی حفاظت بھی کر رہے

ہیں، مدرسے بھی چلا رہے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں اور ملکی سیاست میں بھی اپنا ایک اثر رکھتے ہیں۔

اسی طرح ترکی میں خلافت ٹوٹنے کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا نے یورپ کے دباؤ میں جو پابندیاں لگائیں اس کا مقصد اسلام کو ختم کرنا اور مسلمانوں کو دین سے دور کرنا تھا، لیکن بدیع الزماں سعید نورسی اور ان کے ماننے والوں نے مایوس ہونے کے بجائے دین وملت کو بچانے کی جدوجہد کی، آج ترکی اسلام کی طرف لوٹ رہا ہے اور جو گروہ سیاست میں حاوی ہے وہ اسلام اور مسلمانوں کا شیدائی ہے، بدیع الزماں سعید نورسی سے فیض حاصل کرنے والوں میں نجم الدین اربکان سابق صدر ابھی زندہ ہیں فوجی ٹولے نے ان کی حکومت کو یہ کہہ کر برخواست کر دیا تھا کہ نجم الدین اربکان قدامت پسند ہیں، اس لیے کہ ان کی بیوی سر پر دوپٹہ رکھتی ہے، پھر انھوں نے اپنے تجربہ کی روشنی میں رجب طیب اردگان کی صحیح رہنمائی کی، اس وقت وہ ترکی کے صدر ہیں، اور مسلمانوں کے ایک بڑے سیاسی رہنما ہیں، ان کی قیادت اور رہنمائی میں آذر بائیجان نے آرمینیا سے اپنا غصب کیا ہوا علاقہ حاصل کیا اور ان کے مشوروں سے پاکستان ملیشیا اور قطر وغیرہ کو بھی سیاست میں مضبوطی حاصل ہو رہی ہے۔

آزادی کے بعد ملکی سیاست میں علماء اور مسلم راہنماؤں کا کردار

ہندوستان کی آزادی کے بعد ملک کے نامور علماء کرام سیاست میں پورے طور پر دخیل تھے، ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن پر مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو جیسے بڑے سیاسی رہنما کا پورا اعتماد کرتے تھے، علماء کرام اور دانشوران ملت نے اپنی بنیادی ذمہ داری کا حق ادا کیا، مشہور لوگوں میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا سید محمد میاں صاحب اور پھر ان لوگوں کے بعد امیر الشریعہ رابع مولانا منت اللہ رحمانی، ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، مولانا عبداللطیف نعمانی، مولانا اسرار الحق قاسمی ایم. پی.، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علماء کا یہ گروہ پورے ملک کی سیاست پر نظر رکھتا تھا، الیکشن کے موقع پر مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرتا تھا، ان کے علاوہ پورے ملک میں ان بزرگوں کے رفقاء، تلامذہ اور متعلقین تھے، انھوں نے بھی اپنے اپنے علاقوں میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا۔

آزادی کے فوراً بعد جب ملک کا آئین بن رہا تھا، اس وقت ہندو

فرقہ پرستوں کا ایک گروہ یہ آواز اٹھا رہا تھا کہ مسلمان اپنا حصہ بانٹ کر لے چکے ہیں، اس ملک کو ہندو راشٹر ہونا چاہیے اور مسلمانوں کو آئیں میں برابری کا حق نہیں ملنا چاہیے، اس موقع پر مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بڑی مضبوطی کے ساتھ مسلمانوں کی وکالت کی اور بہت صاف لفظوں میں یہ کہا کہ ہم تقسیم کے مخالف تھے، بٹوارے کے کاغذات پر دستخط ہم نے نہیں کیے، بلکہ آپ حضرات نے کیے ہیں، آپ لوگوں نے ہم سے برابری کا حق دینے کا وعدہ کیا ہے، ہمیں وہ ملنا چاہیے، ان لوگوں کے مضبوط دلائل کے سامنے جواہر لعل نہرو اور دوسرے غیر مسلم لیڈر نرم ہو گئے، اور آئین میں مسلمانوں کو برابری کا حق دیا گیا، مولانا ارشد مدنی اور دیگر علماء کرام اپنی تقریروں میں اس بات کو بار بار دہراتے ہیں، آج اگر آئین میں ہمیں وہ حق نہ ملا ہوتا تو اس ملک میں ہم دو نمبر کے شہری ہوتے اور ہمارے ساتھ اور زیادہ ناانصافی ہوتی۔

مولانا حسین احمد مدنی آزادی کے بعد دس سال زندہ رہے، تدریس، تزکیہ اور اصلاح کا کام پورے ملک میں کرتے رہے، چاروں طرف ان کے شاگرد پھیلے ہوئے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس ہونے کے باوجود ملک کے طول وعرض کا لمبا سفر کر کے مسلمانوں کی قیادت ورہنمائی کرتے رہے، لیکن انھوں نے اپنی قربانیوں کا کوئی بدلہ ارباب حکومت سے نہیں لیا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں : ''انھوں نے اپنی سیاسی جدوجہد میں

شروع سے حصہ لیا، اور اس وقت تک حصہ لیتے رہے جب تک اس کی ضرورت تھی، لیکن جب ضرورت پوری ہوگئی اور جب موقع آیا اس محنت کی قیمت وصول کرنے کا تو انھوں نے ہاتھ کھینچ لیا، ایک وقت ہوتا ہے مزدوری کا اور ایک اجرت کا، مزدوری پوری کی مسلسل کی اور محنت ومشقت سے کی، لیکن اجرت وہاں کے لیے اٹھا رکھی جہاں وہ اب ہیں، جب آزادی کا درخت لگایا جارہا تھا، اور اس کی آبیاری کے لیے خون پسینہ کی ضرورت تھی، وہ پیش پیش تھے؛ لیکن جب اس درخت کے پھل کھانے کا وقت آیا اس وقت وہ اللہ کا بندہ اتنی دور جا بیٹھا جہاں اس کی ہوا بھی نہ لگ سکے'' (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ایک سیاسی مطالعہ۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری: ص ۲۷)۔

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مسلمانوں کے ایک بے مثال رہنما تھے، آزادی سے پہلے زبردست قربانیاں دیں، آزادی کے بعد جب ملک میں فرقہ وارانہ فسادات ہورہے تھے، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مسلمانوں کے خلاف ہونے والے مظالم کی آواز پارلیامنٹ میں بھی پورے زوروشور کے ساتھ اٹھاتے رہے اور ملک میں دورے کرکے مسلمانوں کے لیے تسلی کا سامان بھی فراہم کرتے رہے۔

مولانا سید محمد میاں صاحب لکھتے ہیں : ''جس کی ثابت قدمی نے دہلی میں اس وقت تقریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کو باقی رکھا اور نہ صرف دہلی؛ بلکہ حقیقت یہ ہے

کہ اس کے استقلال کا اثر نیو یونین کے گوشہ گوشہ تک پہنچا، کیونکہ اگر دہلی مغربی یوپی اور راجستھان کے سرحدی اضلاع مسلمانوں سے خالی ہوجاتے تو پھر یہ طے کرنا مشکل ہے کہ وہ سیلاب جوان سرحدوں سے ٹکرا کر ختم ہوگیا کہاں تک پہنچتا'' (مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ایک سیاسی مطالعہ۔ڈاکٹر ابوسلمان: ص ۱۸۱)۔

مولانا سیوہاروی عملی طور پر سیاست میں بھرپور حصہ لیتے تھے اور باقاعدہ پارلیمنٹ کا الیکشن لڑ کر لوک سبھا میں پہنچتے تھے اور مسلمانوں کی بھرپور نمائندگی کرتے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد ایک بڑے عالم اور صاحب طرز انشاء پرداز ہونے کے علاوہ ہندوستانی سیاست میں سرخیل تھے، ان کے انتقال پر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے یہ لکھا ہے:

''رفیع احمد گئے تو عمارت کا ایک ستون ٹوٹا تھا، مولانا مدنی اٹھ گئے تو دیوار بیٹھ گئی، لیکن مولانا آزاد کے اٹھ جانے سے پوری عمارت ہی زمین پر آ گئی، آزادی کے بعد مسلمانوں کو جو صدمے پیش آچکے ہیں ان میں آخری صدمہ بڑا ہی جانکاہ ہے'' (امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد ایک سیاسی مطالعہ: ص: ۱۲۰۔۱۲۱ از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری)۔

مولانا ابوالکلام آزاد اپنے انتقال تک مرکز میں وزیر تعلیم تھے، انھوں نے اپنی صلاحیتوں سے ملک وملت کو پورا پورا نفع پہنچایا۔

مولانا احمد سعید دہلوی جو اپنی دلکش خطابت کی وجہ سے سحبان الہند کے لقب سے جانے جاتے ہیں، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب کے عزیز شاگردوں میں ہیں، انھوں نے آزادی سے پہلے بھی اور آزادی کے بعد بھی سرگرم سیاست میں حصہ لیا، 1957ء میں پارلیامنٹ کا الیکشن بھی لڑے، ان کے انتقال پر مولانا حفیظ الرحمٰن واصف نے جو تعزیتی کلمات بیان کیے ہیں اس کے چند جملے نقل کیے جاتے ہیں:

''زمانہ حاضرہ پر جب ہم نگاہ ڈال کر تجسس کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دلی کی ان مجاہد ہستیوں میں سے جنھوں نے اپنی ذاتی محنت وکاوش سے عظیم الشان کردار پیدا کیا اور دلی کی تہذیبی معاشرتی خصوصیات کو قائم رکھا، مولانا احمد سعید کی ہستی ایک آخری نمونہ تھی، اس شمع کے گل ہوجانے کے بعد محفل تاریک ہے، فضاء اداس اور جگہ خالی ہے، معلوم نہیں یہ جگہ کب تک خالی رہے گی، اور دلی کی خاک سے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا احمد سعید، مسٹر آصف علی، خواجہ حسن نظامی جیسے فرزند کب پیدا ہوں گے'' (سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ: ص: ۱۳۶ (ڈاکٹر ابو اسحاق شاہجہاں پوری))۔

علماء کرام کے علاوہ مسلم دانشوران اور سیاست دانوں نے بھی آزادی کے بعد ملک کی سیاست میں بہترین رول ادا کیا، جن میں رفیع احمد قدوائی منسٹر، حافظ ابراہیم منسٹر، ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ، فخر الدین علی احمد صدر جمہوریہ، سید شہاب الدین ایم. پی، محمود بنات والا ایم. پی، ابراہیم سلیمان سیٹھ ایم. پی، جعفر شریف

منسٹر، غنی خان چودھری منسٹر، ضیاء الرحمٰن انصاری ایم.پی، امین انصاری ایم.ایل.اے، مولانا حبیب الرحمٰن نعمانی ایم.پی راجیہ سبھا، یہ حضرات بھی مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کرتے رہے، اور زندگی بھر اپنی ذمہ داری نبھائی، علماء کرام اور مسلم راہنماؤں نے جس طرح ملکی سیاست میں حصہ لے کر ملت کی ایک ضرورت کو پورا کیا آج بھی اسی طرح کے مخلص کارکنوں کی ضرورت ہے تا کہ یہ اہم گوشہ خالی نہ رہے۔

دستور ہند اور ہمارے حقوق

تمہید (Preamble)

ہم بھارت کے عوام متانت وسنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بھارت کو ایک مقتدر سماجوادی غیر مذہبی عوامی جمہوریہ بنائیں اور اس کے تمام شہریوں کے لیے حاصل کریں:

انصاف: سماجی، معاشی اور سیاسی۔

آزادی: خیال، اظہار، عقیدہ، دین اور عبادت۔

مساوات: باعتبار حیثیت اور موقع۔

اور ان سب میں اخوت کو ترقی دیں، جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتحاد اور سالمیت کا تیقین ہو۔

اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج ۲۶ رنومبر 1949ء کو یہ آئیں ذریعہ ہذا اختیار کرتے ہیں، وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں (بھارت کا آئین یکم جولائی 2019ء تک ترمیم شدہ۔ شائع کردہ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ووزارت ترقی انسانی وسائل)۔

آئین کی اس عہد میں ملک کے تمام باشندوں کو سماجی، معاشی اور سیاسی

انصاف دیا گیا ہے، عقیدہ، دین اور عبادت میں مکمل آزادی عطا کی گئی ہے اور موقع اور حیثیت کے اعتبار سے مساوات کا اعلان کیا گیا ہے، لیکن آج ہندوستان میں جو ماحول بنایا جارہا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کی اکثریت اقلیتوں کے حقوق چھیننا چاہتی ہے۔ بڑی ذات کے ہندو اقلیتوں کے ساتھ دلت اور پچھڑہ طبقے کے ہندوؤں کو بھی برابری کا حق نہیں دینا چاہتے، بھارت کی جمہوریت کو طرح طرح کے خطرات کا سامنا ہے، اس لیے اس ملک کی جمہوریت اور اس کے سیکولر کردار کو بچانے کے لیے جدوجہد کرنا اور ہمارا سیاست میں عملی طور پر حصہ دار ہونا ضروری ہے، ورنہ سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف ختم ہوجائے گا، عقیدہ اور مذہب کی آزادی سلب کرلی جائے گی، اس وقت جمہوریت کا ایک بڑا ستون میڈیا سچائی اور حقیقت کو بالائے طاق رکھ کر وہی بولتا ہے اور دکھاتا ہے جو سرکار کی منشاء ہوتی ہے، بہت سے سرکاری ادارے حقیقت کو چھپا کر سرکار کے منشاء کے مطابق کام کرتے ہیں، جبکہ ہمارا دستور دنیا کا ایک بہترین دستور ہے جس پر عمل کرکے سب کے ساتھ انصاف اور مساوات کا برتاؤ کیا جاسکتا ہے (بھارت کا آئین۔ شائع کردہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان: ص ۱۷)۔

دفعہ 25 A(۱):

امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیعات کے تابع تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور

اس کی تبلیغ کرنے کا بنیادی حق ہے (بھارت کا آئین۔ شائع کردہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان: ص ۱۷)۔

اس وقت موجودہ حکومت اس دفعہ کو نظر انداز کر کے بہت سارے ایسے کام کروانا چاہتی ہے جس سے دوسرے لوگوں کی مذہبی آزادی سلب ہو جائے، جیسے سب کو سوریہ نمسکار کی دعوت دی جاتی ہے، وندے ماترم کا حکم دیا گیا، جبکہ دونوں کام مسلمانوں کے عقیدہ توحید سے متصادم ہیں، مسلمان نہ تو سورج کو نمسکار کر سکتے ہیں اور نہ ہی دھرتی کی پوجا، اسی طرح تبدیلی مذہب کی آزادی کو بھی بعض ریاستیں ختم کرنا چاہتی ہیں، اگر کوئی اپنی مرضی سے اپنا مذہب تبدیل کرتا ہے تو اس پر مقدمہ کیا جاتا ہے، کرونا کی آڑ میں تبلیغی جماعت کو نشانہ بنایا گیا، جبکہ یہ جماعت صرف مسلمانوں کی اصلاح کے لیے کام کرتی ہے، کسی بھی ریاست کا مذکورہ اقدام آئین کی دفعہ ۲۵ (۱) کے خلاف ہے، بھاجپا حکومت میں مسلمانوں کو گھر واپسی کی دعوت دی گئی اور یہ کہا گیا کہ ہندوستانی مسلمان ہندو دھرم تبدیل کر کے مسلمان ہو گئے، وہ پھر ہندو دھرم میں لوٹ آئیں، یہ طریقۂ کار ہمارے دستور اور آئین کے سراسر خلاف ہے، اور مذہبی آزادی کو ختم کرنے والا ہے۔

دستور کے تیسرے حصہ میں بنیادی حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسکے دفعہ ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ قانون کی نظر میں برابری اور قانونی تحفظ میں برابری سے حکومت کسی شخص کو محروم نہیں کرے گی، دفعہ ۱۵ میں کہا گیا ہے کہ حکومت ملک کے کسی

شہری کے ساتھ محض اس کے مذہب، نسل، ذات، جنس یا مقام پیدائش کی بناء پر کسی بھی طرح کا امتیازی سلوک نہیں کرے گی، نہ ہی کسی ایسی بنیاد پر کسی شہری کو محرومی یا ذمہ داری کا نشانہ بنائے گی (ہندوستانی مسلمان اور اسلامی تشخص مسائل اور حل: ص ۱۰۶ (ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی))۔

ملک کے دستور کے یہ حصے اقلیتوں کے لیے انتہائی اہمیت رکھتے ہیں، لیکن ان کا فائدہ اس وقت حاصل ہوسکتا ہے جب حکومتیں ان کی پاسداری کریں، اس وقت جن صوبوں میں مسلم مخالف سرکار ہے وہ دستور کی ان دفعات کو یکسر نظر انداز کرتی ہیں، ہمیں اس کا نفع اسی وقت پورا پورا مل سکتا ہے جب ہم ملکی سیاست میں اتحاد و اتفاق اور دور اندیشی کے ساتھ حصہ لیں اور مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور فعال بنائیں۔

دستور ہند اور ہمارے حقوق

شہریت: آئین کے تاریخ نفاذ پر دستور ہند کی دفعہ (۵) شہریت کا آئین اس طرح لکھا ہوا ہے:

۵۔ اس آئین کی تاریخ نفاذ پر ہر وہ شخص بھارت کا شہری ہوگا، جس کی بھارت کے علاقہ میں مستقل جائز سکونت ہو اور

(الف) جو بھارت کے علاقہ میں پیدا ہوا تھا۔

(ب) جس کے والدین میں کوئی ایک بھارت کے علاقہ میں پیدا ہوا

تھا۔

(ج) جو ایسی تاریخ نفاذ کے عین قبل پانچ سال تک بھارت کے علاقہ کا معمولاً باشندہ رہا ہو۔

دفعہ (۶) میں یہ وضاحت ہے۔

دفعہ (۶)

(۱۰) حقوق شہریت کا برقرار رہنا۔

ہر وہ شخص اس حصہ کی مندرجہ بالا توضیعات میں سے کسی توضیع کے تحت بھارت کا شہری ہو یا جس کا شہری ہونا متصور ہو کسی قانون کی توضیعات کے تابع جو پارلیامنٹ بنائے ایسا شہری برقرار رہے گا۔

پارلیامنٹ قانون کے ذریعہ حق شہریت منضبط کرے گی:

۱۱۔ اس حصہ کی مندرجہ بالا توضیعات میں سے کسی امر سے شہریت حاصل کرنے اور اس کو ختم کرنے اور شہریت سے متعلق تمام دیگر امور کے بارے میں کوئی توضیع کرنے کی بابت پارلیامنٹ کا اختیار کم نہ ہوگا۔

ان دفعات کی روشنی میں ایسے تمام افراد ہندوستان کے شہری ہیں جو اس ملک میں پیدا ہوئے یا جن کے ماں باپ میں سے کوئی ایک پیدا ہوا، دسمبر ۲۰۱۹ء میں قانون شہریت میں پارلیامنٹ میں ترمیم کی گئی، اور ایک بھارتی کو بھارت کا شہری ثابت کرنے کے مسئلہ کو انتہائی مشکل بنا دیا گیا۔

وزیر داخلہ امت شاہ نے اس معاملہ میں انتہائی شدت کا مظاہرہ کیا،

کروڑوں ایسے مسلمان الجھن میں مبتلا تھے جو پشت در پشت یہاں کے باشندہ ہیں جن کے آباء واجداد صدیوں سے یہاں آباد ہیں، جبکہ حقوق شہریت کا مسئلہ ہندوستان کے آئین میں بالکل واضح ہے۔

بظاہر کہا یہ گیا کہ پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش سے آنے والے مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھارت کی شہریت نہیں دی جائے گی، ان کو چھوڑ کر ہندو، بودھ، جین، یہودی اور سکھ لوگوں کو بھارت کی شہریت دی جائے گی، اس کا منشا کروڑوں ایسے مسلمانوں کو پریشان کرنا تھا، جو زمانہ دراز سے ہندوستان میں رہتے ہیں اور جن کے باپ دادا شہریت کے قانون نفاذ سے بہت پہلے سے اس ملک میں رہتے چلے آئے ہیں، اس بنا پر مسلمان انتہائی تشویش اور الجھن میں مبتلا تھے، چنانچہ مسلمانوں نے پورے ملک میں بڑے پیمانہ پر احتجاج کیا۔

دلی کے شاہین باغ کا احتجاج ایک تاریخ بن گیا، اس کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، جے این یو، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں پرزور مظاہرے ہوئے، ہندوستان کے اکثر شہروں میں مسلمانوں نے آئین کی اس ترمیم کے خلاف اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔

عام مسلمانوں کو حکومت کی نیت پر شک ہونے لگا، کیونکہ آر ایس ایس اور بھاجپا کے لوگوں نے ۲۰۱۴ء اور ۲۰۱۹ء میں پارلیامنٹ کا الیکشن جیتنے کے لئے دیہات دیہات اور چھوٹے چھوٹے گاؤں میں یہ پرچار زور وشور سے کیا تھا کہ

مسلمان اس ملک سے چلے جائیں گے اور ان کا مکان، کھیت اور دکان وغیرہ تم کو مل جائیں گے، ہمارے علاقہ میں متعدد بھولی بھالی غیر مسلم عورتوں نے یہ کہا کہ جب آپ لوگوں کو یہاں سے جانا ہو تو اپنا مکان ہم کو دیدیجئے گا ہم نے ایک زمانہ تک آپ کو دودھ پلایا ہے، حکومت کے جارحانہ رویہ اور اس کی مسلم دشمن پالیسی کی بنا پر مسلمانوں کا فکرمند ہونا ایک فطری بات تھی۔

دینِ اسلام اور سیاست کا باہمی تعلق

اسلام میں سیاست کی کیا حیثیت ہے، اس کو سمجھنے کے لیے دو نظریات کو سامنے رکھنا ہوگا، جو افراط وتفریط کی دو انتہاؤں پر ہیں، ایک نظریہ سیکولرزم کا ہے جس کے نزدیک اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح انسان کا ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے، جس کا تعلق بس اس کی اپنی ذات سے ہے، سیاست وحکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، درحقیقت یہ نظریہ عیسائی تھیوروکریسی کی خرابیاں سامنے آنے کے بعد ایک ردعمل کے طور پر اپنایا گیا اور سیکولر جمہوریت کے رواج کے بعد یہ دنیا میں مقبول ہوگیا، اس نظریہ کو مزید تقویت بعض ان دینی حلقوں کے طرزِ عمل سے ملی، جنھوں نے صرف اپنی سرگرمیوں کا سارا محور عقائد وعبادات اور زیادہ سے زیادہ اخلاق کی درستگی کی حد تک محدود رکھا، بلکہ جو لوگ اس دائرے سے باہر جا کر کسی قسم کی سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہوئے ان پر تنقید بھی کی کہ ایک دیندار آدمی سیاست میں کیوں ملوث ہو؟

یہ نقطۂ نظر درحقیقت اسلام کو دوسرے مذاہب پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا، حالانکہ یہ قیاس قطعی طور پر غلط ہے، اسلامی ہدایات اور تعلیمات صرف عقائد وعبادات اور اخلاق کی حد تک محدود نہیں؛ بلکہ وہ مالیاتی معاملہ اور سیاست

وحکومت کے بارے میں بھی ہمیں بڑے اہم احکام عطا فرماتا ہے، جس کے بغیر اسلام کا عملی تصور نامکمل ہے، دوسری انتہا پسندی بعض ایسے افراد نے اختیار کرلی جنھوں نے سیکولرزم کی تردید اس شدت کے ساتھ کی کہ سیاست ہی کو اسلام کا مقصود اصل قرار دے دیا، یعنی یہ کہا کہ اسلام کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ دنیا میں ایک عادلانہ سیاسی نظام قائم کیا جائے اور اسلام کے باقی سب احکام اس مقصود اصلی کے تابع ہیں، لہٰذا جو شخص سیاست کے میدان میں دین کی سربلندی کے لیے کام کررہا ہے بس وہ ہے جس نے دین کے مقصود اصلی کو پالیا اور جو لوگ سیاست سے ہٹ کر اصلاح نفس، تعلیم، تبلیغ، یا اصلاح معاشرہ کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور سیاست میں ان کا کوئی کردار نہیں وہ گویا تنگ نظر اور دین کے اصل مقصد سے غافل ہیں، یہ دونوں نظریات افراط اور تفریط کے نظریات ہیں جو اسلام میں سیاست کے صحیح مقام سے ناواقفیت پر مبنی ہیں (اسلام اور سیاسی نظریات۔ مولانا محمد تقی عثمانی: ص: ۶۳۔ ۱۶۲)۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک جامع مذہب ہے، جس نے زندگی کے تمام شعبوں میں انسانوں کی رہنمائی کی ہے، تجارت، معیشت، نکاح، طلاق، سیاست اور ملک گیری کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہدایات موجود نہ ہوں، البتہ اعتدال اور میانہ روی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھا جائے، اسلام نے تجارت کے اصول بتائے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین کا بنیادی مقصد تجارت کرنا ہے، شریعت نے نکاح اور طلاق کی تفصیلات وتشریحات کیں تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ صرف یہی اسلام کا منشاء ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ

انسان اللہ کا بندہ ہے، اللہ تعالیٰ حاکم اور آقا ہیں، ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرے اور شریعت کے اصولوں کا پاس ولحاظ رکھے، یہی اصل بندگی ہے اور یہی شریعت کا مقصود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (ذاریات:۵۶)۔

(میں نے جنات اور انسان کو کسی اور مقصد سے نہیں؛ بلکہ اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں)۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیاست کو دین سے الگ تصور کرنا یہ بھی صحیح نہیں اور سیاست ہی کو دین کا مقصود اصلی قرار دینا یہ بھی درست نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مقرب اور منتخب جماعت میں چند ہی ایسے لوگ ہیں جنھوں نے حکومت قائم کی، ہمارے نبی سرور دوعالم ﷺ کے علاوہ حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت یوشع، حضرت سموئیل، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام نے حکومتیں قائم فرمائیں، ان کے علاوہ کسی اور نبی کے بارے میں حکومت قائم کرنا ثابت نہیں، تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کے سوا کوئی نبی دین کا اصل مقصد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا، جو حضرات سیاسی غلبہ کو دین کا اصل مقصود قرار دیتے ہیں ان کو یہ کہنے میں بھی تأمل نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی دین کے اصل مقصد میں کامیاب نہیں ہوا، حالانکہ یہ بہت بڑی گمراہی ہے، ہر نبی نے اللہ کا پیغام پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے مخاطب لوگوں کو پہنچایا، اس کے لیے بھرپور جدوجہد کی، جو ان کی ذمہ داری تھی لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلانا، بت پرستی سے روکنا، یہ کام انبیاء کرام نے انتہائی

دیانتداری کے ساتھ انجام دیا، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں، یہ لوگ اقلیت میں رہے، اپنا کام کرتے رہے، مجبوراً ابراہیمؑ کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، حضرت عیسیٰؑ کو اوپر اٹھالیا گیا، ان حضرات کو حکومت قائم کرنے کا کوئی موقع میسر نہیں آیا تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ حضرات اپنے مقصد میں ناکام ہوگئے، خلاصہ یہ ہے کہ سیاست کو دین کا مقصود اصلی قرار دینے اور بقیہ چیزوں کو اس کے تابع بنانے میں بہت ساری خرابیاں لازم آتی ہیں۔

سیاست و دیانت میں سیاست وسیلہ ہے اور دیانت مقصود اصلی ہے (اسلام اور سیاسی نظریات مولانا محمد تقی عثمانی)۔

سیاست میں کامیابی کے لیے دین سے جڑے رہنا ضروری ہے

ملت اسلامیہ کا ایک طبقہ جو عصری علوم سے زیادہ انہماک رکھتا ہے وہ مسلمانوں کی کامیابی کے لیے صرف تعلیم کو ضروری سمجھتا ہے، جبکہ دینی علوم کے ماہرین اور راسخین فی العلم یہ کہتے ہیں کہ تعلیم کے ساتھ دین سے صحیح تعلق رکھنا کامیابی کے لیے ضروری ہے، قرآن پاک کی نصوص اسی کی تائید کرتی ہیں، اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں کئی جگہوں پر اپنی مدد کو دین کی مدد کے ساتھ جوڑا ہے:

آیت نمبر(۱):اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ﴾ (محمد:۷)۔

(اگر اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا)۔

آیت نمبر(۲):﴿وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ﴾ (حج:۴۱)۔

(اور اللہ ضرور بالضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرتے ہیں اور

بیشک اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے، اللہ ایسے لوگوں کی مدد کرتا ہے کہ اگر ہم ان کو زمین میں قدرت دیں تو وہ نماز قائم کرتے رہیں، زکوٰۃ دیتے رہیں، بھلائیوں کا حکم کریں اور برائیوں سے روکتے رہیں اور انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے)۔

ان کے علاوہ اور بھی قرآن پاک میں اس مضمون کی واضح آیتیں موجود ہیں ان آیات میں اللہ کی مدد سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے، اس کی وضاحت وہ صفات کر رہی ہیں جو آگے مذکور ہیں۔

اس لیے یہ نظریہ ادھورا ہے کہ صرف ڈگریاں حاصل کرنے سے مسلمان کامیاب ہوجائیں گے، ڈگریوں کے ذریعہ ملازمت مل سکتی ہے، معاش کا سدھار ہوسکتا ہے، لیکن اگر دین نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا کوئی وعدہ نہیں ہے، مشہور داعی مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت نے ایک موقع پر کہا: مسلم کا فروغ، اسلام کے فروغ کی کوشش میں لگنے کے اندر کے علاوہ ہرگز مقصود نہیں، حق عزوجل نے مومن کے ساتھ رحمت کے ساتھ توجہ کرنے اور کرم والطاف کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ارادہ صرف اسی وقت فرمارکھا ہے کہ جب وہ اسلام کے فروغ میں ہو، اسلام کے فروغ میں اپنی سعی مصروف کر رہا ہو (ہندوستان میں مسلم تنظیمیں، ایک جائزہ: ص ۱۳۴ (ڈاکٹر سید عبدالباری ندوی))۔

اس روشنی میں اپنے ملک ہندوستان کے حالات کا تجزیہ کرنے سے پہلے کچھ عرب ملکوں کے حالات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے؛ تاکہ مسلمانوں کے انحطاط اور ان کی پستی کے اسباب کو سمجھنے میں مدد ملے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی مشہور کتاب ''مسلم ممالک میں

اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' میں عرب ملکوں کا ایک بہترین تجزیہ کیا ہے، مصر، شام، عراق، تیونس، لیبیا، الجزائر، ان ملکوں میں مسلم حکمرانوں نے دین کو پس پشت ڈال دیا، اشتراکیت اور کمیونزم سے متأثر ہو گئے، قرآن وحدیث کی راہنمائی انھیں نامکمل محسوس ہونے لگی اور انھوں نے اپنی کم علمی اور دینی تربیت میں کمی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ موجودہ حالات میں اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت ہمارے لیے کافی نہیں ہے، اس کے نتیجہ میں ان تمام ملکوں میں بڑی تباہی آئی، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے جس زمانے میں اپنے تأثرات لکھے ہیں، اس وقت تباہی کا آغاز ہو چکا تھا، لیکن بعد میں کئی ملکوں میں زبردست خانہ جنگی ہوئی اور پورا پورا ملک تباہ ہو گیا، ماضی کے رہنماؤں میں مصر میں جمال عبد الناصر، انور سادات اور حسنی مبارک، تیونس کے صدر الحبیب بورقیبہ، لیبیا کے صدر کرنل قذافی، عراق کے صدر صدام حسین، شام کے صدر حافظ الاسد اور ان کے بیٹے بشار الاسد یہ سارے حکمراں اپنے اقتدار کے زمانے میں اسلام پر طرح طرح کی تنقید کرتے رہے، دین پسند طبقہ کو اذیتیں پہنچاتے رہے اور اشتراکیت اور سیکولرزم کا پرچار کرتے رہے، اس کے نتیجے میں خود بھی تباہ ہوئے اور اپنے ملک کو بھی تباہ کیا، اس کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

حبیب بورقیبہ کا یہ بیان لبنان سے نکلنے والے ہفتہ وار الشہاب نے ساتویں سال کے پہلے شمارے میں جو پندرہ اپریل 1974ء کو نکلا تھا شائع کیا:

(۱):- قرآن میں تضاد ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی، جیسے وہ ایک جگہ کہتا ہے: ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ (التوبہ: ۵۱) اور دوسری جگہ کہتا

ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ﴾ (الرعد:۱۱)۔

(۲):— پیغمبر محمد ایک سادہ انسان تھے، جو صحرائے عرب میں بکثرت سفر کرتے تھے اور رائج الوقت خرافات سنتے رہتے تھے، پھر انھوں نے خرافات کو قرآن میں نقل کر دیا، جیسے عصائے موسیٰ کا قصہ، جسے عقل ماننے پر تیار نہیں اور جیسے اصحاب کہف کا قصہ۔

صدر موصوف نے جن آیتوں میں تضاد پایا ہے وہ یا تو عربی زبان سے ان کی ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ ان کی تعلیم فرانس میں ہوئی ہے، یا ان کے قرآن اور اس کی تفسیر کے عدم مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ دوسرے نمبر پر ان کا جو بیان ذکر کیا گیا ہے اس سے بہر حال یہی ظاہر ہوتا ہے کہ صدر بورقیبہ قرآن کو نبی ﷺ کی تالیف جانتے ہیں اور آسمانی کتاب تسلیم نہیں کرتے۔

حبیب بورقیبہ نے قرآن کریم کے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا اور نماز، روزہ کے اوقات اور ضرورت پر اپنے مخصوص خیالات پیش کیے تھے جو امت اسلامیہ کے تسلیم شدہ فکر کے خلاف ہیں۔

معمر قذافی نے اسلامی زندگی پر حملہ کرنے کے لیے حدیث کا انتخاب کیا، ان کی رائے میں عبادت کے طریقہ نظام تک حدیث کو محدود رہنا چاہیے، باقی زندگی کے بارے میں احادیث کا انطباق اس زمانہ پر نہیں ہوسکتا، معمر قذافی کا اس سے ظاہری مقصد اسلام کو صرف عبادت تک محدود رکھنا ہے تاکہ عیسائی مذہب کی طرح اسلام زندگی سے منقطع ہوجائے، ان کے خیالات صرف انکار حدیث کے مرادف نہیں ہیں؛ بلکہ اطاعت رسول سے انحراف کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اپنی گفتگو میں انھوں نے دعویٰ کیا کہ حدیث کی صحت مشکوک ہے، اس لیے کہ تدوین حدیث کے عہد میں بقول ان کے کثرت سے جھوٹی حدیثیں ان کی طرف منسوب کی گئیں، انھوں نے حدیث میں تعارض بھی ثابت کرنے کی کوشش کی، معمر قذافی کا خیال ہے کہ حدیث پر اعمال کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ کہنا مشکل ہے کہ حدیث صحیح ہے یا موضوع، اس لیے صرف قرآن پر انحصار کرنا چاہیے، معمر قذافی سے علماء نے جب اس سلسلے میں گفتگو کیا تو انھوں نے اپنے خیالات پر اصرار کیا، بعض اخبار کی رپورٹوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے علماء کو دھمکی دی، اگر ان کے اصلاحی اقدامات کی راہ میں رکاوٹ ڈالیں گے تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو مصطفیٰ کمال پاشا نے کیا، اس گفتگو میں انھوں نے مصطفیٰ کمال پاشا کی کارروائی کو حق بجانب بتایا (اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش: ص ۲۲۴)۔

انڈونیشیا کے صدر ڈاکٹر احمد سکارنو کی رہنمائی میں ملک کا حکمراں طبقہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس کو ترکی کے نقش قدم پر لے جارہا تھا، عیسائیت کو اس ملک میں خصوصی مراعات حاصل تھیں اور اس کی وہاں اشاعت تیزی کے ساتھ ہورہی تھی، جس سے اس ملک کے نوے فیصد آبادی کے مذہب (اسلام) کے لیے خطرات پیدا کردیئے ہیں، اسی طرح سے عراق کے صدر صدام حسین، شام کے صدر حافظ الاسد اور ان کے بیٹے بشار الاسد، یہ سب اسلام بیزار تھے، اس کے نتیجے میں عراق تباہ ہوگیا اور شام خانہ جنگی کا شکار رہا، لاکھوں لوگ مارے گئے اور لاکھوں لوگوں نے اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں پناہ ڈھونڈی، ان سب ناکامیوں کی بنیادی

وجہ یہی ہے کہ ان مسلم ممالک میں حکمراں طبقہ اسلام سے دور تھا، اور اس کو دین میں کامیابی کا یقین نہیں تھا، مغرب سے مرعوبیت کی بنا پر اپنے ملکی نظام اور سیاست میں اسلام کو بے دخل کرنا چاہتے تھے۔

اس کے برخلاف ترکی اور افغانستان کا معاملہ ہے، بدیع الزماں سعید نورسی نے مصطفیٰ کمال پاشا کی ملحدانہ پالیسی کے خلاف اپنے ملک میں اسلام کو زندہ رکھنے کی محنت کی، ان کی اور ان کے رفقاء کی محنت کے نتیجے میں نجم الدین اربکان اور رجب طیب اردگان اور ان کے رفقاء کا ایک مضبوط دین پسند جماعت ترکی کی سیاست پر حاوی ہوگئی، امریکہ نے یہاں بھی محسوس کیا کہ ترکی اسلام کی طرف لوٹ رہا ہے اور اس نے فتح اللہ گولن جو امریکہ میں مقیم ہے کو سامنے کر کے ایک انتہائی منظم بغاوت کرائی، جس میں فوجی افسران کو لمبی رقم دی گئی، اس بغاوت میں جرمنی، فرانس، برطانیہ کے علاوہ بعض مسلم ممالک بھی شامل تھے اور نشانہ یہی تھا کہ مصر میں جس طرح مرسی کی سرکار کو پلٹ کر ہزاروں اخوانیوں کو پھانسی دے دی گئی اور اپنے پسند کے آدمی کو صدارت کی کرسی پر بیٹھا دیا، وہی تجربہ ترکی میں کیا جائے، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا، رجب طیب اردگان کو تھوڑی دیر پہلے روس کی خفیہ ایجنسی نے یہ خبر دی کہ آپ کے ملک میں ایسا ہونے جا رہا ہے اور ان کی موبائل کال پر لاکھوں آدمی فوجی ٹینکوں کے سامنے آ گئے، یہ واقعہ ۱۵؍جولائی 2016ء کا ہے، شام ہوتے ہوتے خبر لگی کہ بغاوت ناکام ہوگئی۔

ایسی منظم بغاوت کی ناکامی صرف اللہ کی مدد سے ہوئی اور اس کی بنیادی وجہ طیب اردگان اور اس کی جماعت کا دین سے تعلق اور امت مسلمہ کے ساتھ

خیرخواہی کا جذبہ ہے، اس کی دوسری مثال افغانستان ہے، ایک بے سروسامان اورغریب جماعت نے بیس سال امریکہ اوراس کے بتیس حلیف ملکوں کا مقابلہ کیا اور بالآخر امریکہ اپنے تمام ذرائع، اعلیٰ قسم کے اسلحے اور بے پناہ دولت خرچ کرنے کے باوجود ذلت ورسوائی اورشکست کے احساس کے ساتھ افغانستان چھوڑنے پر مجبور ہوگیا، افغانستان کی جنگ نے امریکی معیشت پر بڑا اثر ڈالا، ہزاروں فوجی مارے گئے اور ہزاروں فوجیوں نے خودکشی کرلی اورصدر جو بائیڈن کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ہمارا افغانستان چھوڑنے کا فیصلہ صحیح تھا، یہاں بھی کامیابی کی بنیاد دین ہے، طالبان جبہ ودستار اورشرعی ہیئت کے ساتھ لڑتے رہے اور امریکہ کو ملک چھوڑنے پر مجبور کردیا، ستمبر 2021ء کے شروع میں وہ اپنی نئی حکومت تشکیل دے رہے ہیں۔

یہ سارے واقعات ہمیں سبق دیتے ہیں کہ ہندوستانی سیاست میں بھی مسلمانوں کی کامیابی کا دارومدار دین سے جڑے رہنے میں ہے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب علماء کی گرفت عوام اورمسلم سیاست دانوں پر باقی رہے، آزادی سے پہلے اورآزادی کے بعد دونوں زمانوں میں علماء نے قیادت کی ہے اورمسلمانوں کو دین سے جوڑنے کی اپنی حدتک پوری کوشش کی ہے، مدارس، تبلیغی جماعت، جمعیۃ علماء، مسلم پرسنل لاء اور دیگر مسلم تنظیموں کا مثبت کردار امت کے حق میں انتہائی فائدہ منداورنتیجہ خیز ثابت ہوا، اوراللہ کرے آئندہ بھی یہ ضرورت اسی طرح پوری ہوتی رہے۔

مصر، شام، عراق میں ناکامی کے اسباب:

مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی مشہور کتاب مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش میں لکھتے ہیں:

''وہ تمام زندہ دل اور حوصلہ مند نوجوان جن کو عربوں کی عزت اور سربلندی کی فکر تھی اور وہ ان کو طاقتور اور متحد شکل میں دیکھنا چاہتے تھے وہ قومیت عربیہ کے علمبرداروں کو اپنا آدرش سمجھنے لگے، ان کی محبت کا دم بھرنے لگے اور اس تحریک کو عربی روح کی ایک نئی بیداری اور نشاۃ ثانیہ تصور کرنے لگے، جو ان کے نزدیک عربوں کو قدیم سیادت وقیادت اور ماضی کی شوکت وسطوت کے منصب پر واپس لاسکتی ہے، لیکن اس حقیقت کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس رجحان اور طریقہ فکر کے ساتھ اخیر میں کچھ ایسے واقعات، اقدامات، تعلیمات اسلامی کے منافی مقاصد شامل ہوگئے جو اسلام کے اثر کو کم کرتے ہیں اور عرب عوام اور قائدین کا رشتہ عالمگیر اسلامی برادری سے منقطع کرتے ہیں، وہ ان کے اندر عرب قوم پرستی، اس کے تقدس کا خیال اور اس سے قلبی وروحانی وابستگی پیدا کرتے ہیں جو ایک مستقل بالذات فکر ونظریہ اور عقیدۂ مذہب کا خاصہ ہے۔

اس کا نتیجہ ہے کہ عالم عربی کے اہم اور مرکزی شہروں میں تعلیم یافتہ نوجوانوں میں الحاد غیر معمولی تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع ہوگیا اور عرب قومیت کے پرجوش حامیوں اور داعیوں کے منھ سے ایسے الفاظ نکلنے لگے جس سے

کفر وارتداد کا اندیشہ ہوتا ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو تنہا ذریعۂ نجات سمجھنا اور اس حیثیت سے دیکھنا چھوڑ دیا کہ آپ ﷺ انسانوں کی عزت وسربلندی اور عربوں کی عظمتِ دوام کا سرچشمہ اور منبع ہیں، (مصر کے ادباء جس میں عیسائی اہل قلم پیش پیش رہے ہیں) بہت طویل عرصے سے تشکیک کی مہم میں مصروف ہیں، وہ اپنی تحریروں اور علمی وادبی مباحث کے راستہ سے دینی عقائد، تاریخی مسلمات، اسلامی شخصیات، اخلاقی قدروں، اجتماعی اصولوں اور اخلاق عامہ سب چیزوں کو شکوک اور ناقابل اعتبار قرار دے رہے ہیں (اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش: ص ۱۶۶)۔

ان موضوعات پر مصر کے ادباء اور مصنفین نے بے شمار کتابیں لکھیں، عیسائی مصنفین بھی پیش پیش رہے، بڑے بڑے اشاعتی اداروں نے ان کتابوں کو جدید ترین اسلوب اور طباعت کے اعلیٰ معیار کے ساتھ شائع کیا اور ان نئی کتابوں نے عرب نوجوانوں کے ذہن ودماغ میں ایک زبردست فکری انتشار پیدا کردیا، وہ بنیادیں جن پر باشعور اور باصلاحیت معاشرہ قائم ہوسکتا تھا، متزلزل ہوگئیں، ایسی قوم جس کو اپنے عقیدہ، شخصیت اور ماضی پر ناز ہو جس کی بنیاد پر وہ باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے اندر عزت وناموس اور خودداری کا احساس پیدا کرے اس کی جگہ شک، اضطراب، بزدلی اور مداہنت نے لے لیا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کا یہ تأثر ہے کہ ۵ رجون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کی شکست کے المناک حادثے کا سب سے اولین سبب یہی حالات

ہیں۔

۵ رجون ۱۹۶۷ء کو اسرائیل نے اچانک جمہوریہ عربیہ متحدہ پر حملہ کردیا اور فوراً مصری نوجوان کی پسپائی کی خبریں آنے لگیں، چند گھنٹوں کے بعد مصر کی فضائی طاقت کا خاتمہ ہوگیا اور اسرائیل نے مصر، اردن، سیریا اور لبنان کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا، تاریخی شہر بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے سے نکل گیا۔

فرانسیسی اور برطانوی اقتدار سے آزاد ہونے کے بعد مسلم عرب آبادی کی غالب اکثریت والے دو ملک شام اور عراق بھی جو اپنی شاندار اسلامی اور تہذیبی تاریخ رکھتے ہیں، جہاں صحابہ کرام، تابعین، بڑے بڑے محدثین وفقہاء ایک زمانہ تک قرآن وحدیث کا درس دیتے رہے، اور جو ایک طویل مدت تک خلافت اسلامی کا مرکز رہ چکے ہیں، ان دونوں ملکوں میں بھی جدید تعلیم یافتہ طبقہ سیاسی رہنماؤں اور اہل حکومت کا رجحان عرب قومیت، سیکولرزم اور مغربیت کی طرف ہوگیا، ان دونوں ملکوں کے بڑے بڑے علماء حالات سے مایوس ہوکر ملک چھوڑ کر چلے گئے، اور دھیرے دھیرے مسلم معاشرے سے مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، ان دونوں ملکوں کی سیاست پر بعث پارٹی حاوی ہے، اس پارٹی کا نظریہ بہت حد تک اسلام سے متصادم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس پارٹی کا مینوفیسٹو ایک عیسائی فاضل میشیل عفلق نے تیار کیا ہے، انھوں نے اپنی کتاب ''فی سبیل البعث'' میں اپنے خیالات وافکار کا کھل کر اظہار کیا ہے۔

قرآن وسنت کو چھوڑنے اور اسلام سے دوری بنانے کا نتیجہ ان ملکوں میں یہ ہوا کہ آج مصر جیسا تعلیم یافتہ ملک اخوان المسلمین جیسی تنظیم کو برداشت نہیں کرسکا، جمال عبدالناصر سے لے کر عبدالفتاح السیسی تک مصر میں اس تنظیم کے ہزاروں افراد شہید کردیئے گئے، مرسی کی حکومت جو بڑی محنت کے بعد ایماندارانہ انتخاب کے ذریعہ قائم ہوئی تھی، ایک ہی سال میں اس کا تختہ پلٹ دیا گیا اور مرسی کی جیل ہی میں وفات ہوگئی، امریکہ نے صدام حسین کے ذریعہ پورے خطے کے حالات خراب کیے، پہلے ایران سے جنگ کرائی پھر کویت پر حملہ کرایا پھر بہانہ بنا کر حملہ کر کے اسے تباہ کردیا اور صدام حسین کو پھانسی کے تختے پر چڑھادیا، شام میں ایک طویل خانہ جنگی ہوئی جس میں دنیا کی کئی بڑی عالمی طاقتیں شامل ہیں، لاکھوں لوگ مارے گئے، لاکھوں آدمی اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ سارے حالات اچانک نہیں پیدا ہوئے، ان کے اسباب پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان ملکوں میں تباہی کا بنیادی سبب مذہب سے دوری اور اللہ اور اس کے رسول کے قانون سے بیزاری ہے اور اس کے پس پردہ عرب قومیت کا تصور، سیکولرزم کو ترجیح دینا اور دین کی تعلیم وتبلیغ کو نظر انداز کرنا ہے۔

ترکی کے سیاسی اور مذہبی انقلابات اور مصطفی کمال پاشا:

مصطفی کمال کے والد کا نام علی رضا بے تھا، وہ ۱۸۸۱ میں سالونیکا میں پیدا

ہوئے، ان کا اصل خاندان اناطولیہ کے ایک گاؤں میں آباد تھا، پہلے ایک ابتدائی مدرسہ میں داخل ہوئے جو یورپین طرز پر چلایا جارہا تھا، پھر ایک ہائی اسکول میں رہ کر ایک سال تعلیم حاصل کی، لیکن درمیان ہی میں چھوڑ کر فوجی کالج میں داخلہ لے لیا، اس کے بعد استنبول کے فوجی کالج میں داخل ہوئے اور فوجی افسر کی حیثیت سے ملک کے سامنے آئے، یہ سلطان عبدالحمید ثانی کا عہد تھا، ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی اور انور پاشا اور ان کے رفقاء کے دباؤ سے ترکی جرمنی کے ساتھ باقاعدہ جنگ میں شریک ہوگیا، کمال کی رائے تھی کہ ترکی غیر جانبدار رہنا چاہئے اور جس فریق کی فتح ہو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، مصطفی کمال نے اپنی مرضی کے خلاف اس جنگ میں انتہائی بہادری کا مظاہرہ کیا۔

۱۹۱۵ء میں گیلی پولی کے معرکہ میں زبردست کارنامہ انجام دیا، اور اسی سے ان کی شہرت شروع ہوئی، ۱۹۱۸ء میں برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے جرمنی اور ترکی کی شکست کے بعد استنبول پر قبضہ کرلیا، اناطولیہ میں بڑی بدامنی پھیل گئی، اس وقت امن قائم کرنے کے لئے مصطفی کمال کا انتخاب ہوا، انہوں نے یونانیوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا، کیونکہ اہل یونان نے ازمیر پر قبضہ کرلیا تھا، اس کے بعد انگورہ میں ایک آزاد حکومت قائم کی اور خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کا اعلان کردیا، اس حکومت کے وہ پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اور اسی حالت میں ۱۹۳۸ء میں ان کا انتقال ہوا (ترکی کا مرد مجاہد از ثروت صولت ر ۲۹۷)۔

مصطفی کمال پاشا بچپن ہی سے مذہب بیزار تھے، دینی تعلیم اور اسلامی عقائد سے بے بہرہ تھے، اس لئے جب وہ ترکی کے صدر ہوئے تو وہ اپنے ملک کو یورپ کے انداز پر آگے بڑھانا چاہتے تھے، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''کمال اتاترک کی قیادت میں ترکی نے لامذہبیت (سیکولرزم) اپنے ماضی سے انحراف بلکہ بغاوت شدید اور جذباتی مغربیت اور عسکری آمریت کا جو رخ اختیار کیا اس کے وجوہ اور اسباب سمجھنے کے لئے اس تحریک ورجحان کے فکری وسیاسی قائد اور ترکی جدید کے معمار اعظم کمال اتاترک کے ذہنی ارتقا اور فکری نشوونما اور ان کی مزاجی کیفیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے'' (مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ر ۳۷)۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مصطفی کمال کے مستند اور ہمدرد ترک سوانح نگار عرفان اولگا کی کتاب کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''وہ کالج کی زندگی میں کم آمیز اور حلقۂ احباب میں نامقبول تھا، اس کے قریبی دوست بہت کم تھے، وہ جلد اشتعال میں آجاتا تھا اور اپنے درجہ کا ایک مثالی اور بے نفس طالب علم شوقین اور ذہین تھا، جنس (Sex) مقناطیس کی کشش رکھتی تھی، وہ شراب نوشی سے تسکین حاصل کرتا تھا، اس لئے روحانی تسکین کے لئے اس کے اندر نہ خدا کا اعتقاد تھا اور نہ زندگی بعد الموت کا یقین''۔

اسی کے حوالہ سے آگے لکھتے ہیں:

''اس نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اس کی اصل جنگ

مذہب کے خلاف ہے، بچپن سے اس کے نزدیک خدا کی کوئی ضرورت نہیں تھی، وہ محض ایک پراسرار مغالطہ آمیز مجرد نام تھا، جن میں کوئی حقیقت نہیں تھی، وہ صرف اس چیز پر یقین رکھتا تھا جو دیکھنے میں آسکتی تھی، اس کا خیال تھا کہ زمانہ ماضی میں اسلام محض ایک تخریبی طاقت رہا ہے، اور اس نے ترکی کو بہت نقصان پہنچایا ہے، یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ مصطفی کمال ایک غیر مذہبی آدمی تھا، اس لئے یہ افواہ گرم تھی کہ خلافت کی تنسیخ جلد عمل میں آنے والی ہے، اس بات سے اور سنسنی پھیل گئی کہ مصطفی کمال نے شیخ الاسلام کے سر پر جو اسلام کے بڑے عالم اور ایک قابل احترام بزرگ تھے قرآن مجید پھینک کر مارا تھا (ایضاً ۷۴۔۷۶)۔

مصطفی کمال پاشا کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا، وہ کوئی مفروضہ نہیں ہے؛ بلکہ ان کے انتہائی ہمدرد سوانح نگار کا تبصرہ ہے، مذکورہ تفصیلات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، کہ کمال پاشا کے دل ودماغ میں اسلام کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی، قرآن وسنت سے ان کو کوئی تعلق نہیں تھا، اسی لئے جب وہ اقتدار میں آگئے تو انہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے اور ترکی کو مغرب سے قریب کرنے والے متعدد کام کئے، جیسے حج پر پابندی، مسجد کی تعمیر پر روک، اور عربی زبان میں اذان کی ممانعت، ان کے علاوہ یہ بھی کیا کہ ترکی زبان کا رسم الخط بدل کر ترک قوم کو عالم اسلام سے دور کردیا۔

اس دور میں ترکی کی جو صورت حال تھی ایسا لگ رہا تھا کہ اس ملک سے اسلام کا نام ونشان مٹ جائے گا، لیکن ایمان کی جو چنگاری ترک قوم کی دل ودماغ

میں موجود تھی اس کو باقی رکھنے کے لئے بدیع الزماں سعید نورسی اور ان کے جیسے مخلص علماء اور بزرگوں نے اپنے جان کی بازی لگادی اور آج جب کہ خلافت کو ختم ہوئے سو سال مکمل ہونے جارہے ہیں ترکی دوبارہ اسلام کی طرف لوٹ آیا۔

مصطفی کمال پاشا نے مذہب کو سیاست سے الگ کردیا اور اس کو انسان کا ذاتی معاملہ قرار دیا، اسلامی قانون شریعت کو ختم کر کے سوئزلینڈ کا قانونی دیوانی، اٹلی کا قانون فوجداری اور جرمنی کا قانون تجارت نافذ کیا، پرسنل لا کو یورپ کے قانون کے ماتحت کردیا، دینی تعلیم ممنوع قرار پائی، پردہ کو خلاف قانون قرار دیا اور مخلوط تعلیم کا نفاذ کیا (اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش)۔

مشہور مورخ ثروت صولت نے استنبول یونیورسٹی کے ممتاز پروفیسر علی فؤاد باشکل اور ایک دوسرے محقق اشرف ادیب کے حوالہ سے اپنی کتاب میں کمال پاشا کی مذہب بیزاری اور اسلام دشمنی کا بھرپور جائزہ لیا ہے (ترکی کا مرد مجاہد بدیع الزماں سعید نورسی)۔

اتاترک مصطفی کمال پاشا نے ان تمام کمیوں کے باوجود عالم اسلام میں غیر معمولی مقبولیت پائی اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مغربی مورخین نے انہیں ترکی کا نجات دہندہ بنا کر پیش کیا۔

مولانا علی میاں ندوی لکھتے ہیں کہ مشرق کے مسلمان اس عہد میں سیاسی قوت کے پیاسے اور عزت وآزادی کے حصول کے لئے بے چین تھے، ترکی جو ایک زمانہ سے مسلمانوں کی قیادت کررہا تھا اس کو بچانے والا ان کی نگاہ میں ہیرو بن گیا، مسلمانوں کے دلوں میں ان کی طرف سے مبالغہ آمیز عقیدت ومحبت کے جذبات پیدا

ہو گئے، کمال پاشا کی مقبولیت کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ اسلامی ممالک کے سیاسی اور قومی رہنماؤں کا مزاج بھی دین کی گرفت سے آزادی چاہتا تھا، اس لئے مصطفی کمال کے کارنامے ان کی خواہشات کے مطابق تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بعد لیبیا کے صدر قذافی، مصر کے متعدد رہنما؛ بلکہ حکمراں اور عالم اسلام کے بہت سے قائدین نے ان کو اپنے لئے آئیڈیل قرار دیا، یہاں تک کہ جنرل پرویز مشرف فوجی بغاوت کے بعد جب پاکستان کے صدر ہوئے تو انہوں نے بھی یہی بیان دیا کہ میرے آئیڈیل مصطفی کمال پاشا ہیں۔

اسلامی سیاست کی کچھ خصوصیات

شریعت اسلامیہ نے ہر میدان میں مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے، سیاست اور حکمرانی انسانی زندگی کا ایک اہم گوشہ ہے، انبیاء کرام میں ہمارے نبی ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انھوں نے ہجرت کے بعد ایک مضبوط اسلامی ریاست قائم کی اور پھر خلفاء راشدین نے اس کے دائرے کو انتہائی وسیع کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے گا، چاہے مشرک ناپسند کریں، چاہے کافر ناپسند کریں، خلفائے راشدین کے دور میں اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور کئی صدیوں تک مسلمان دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکمرانی کرتے رہے، رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کا زمانہ دنیا کے لیے بہترین نمونہ ہے، اسلامی سیاست کی کچھ خصوصیات جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں وہ ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) عدل وانصاف:

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو انصاف کرنے کا حکم دیا:

﴿وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

(مائدہ:۸۲)۔

(اگر تم ان کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (مائدہ:۸)۔

(تم کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو، انصاف تقویٰ سے زیادہ قریب ہے)۔

قرآن پاک میں اس کے علاوہ اور بھی متعدد صریح آیتیں موجود ہیں، جو مسلمانوں کو انصاف کا حکم دیتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**إنما أهلك الذين قبلكم أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد وأيم الله لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها**" (بخاری ومسلم کتاب الحدود)۔

(جو لوگ تم سے پہلے گذرے ہیں، انھیں اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے اور اللہ کی قسم اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹوں گا)۔

عام طور پر آج کل کی حکومتوں میں اقرباء پروری اور بے ایمانی کا دور دورہ ہے، اپنے خاص لوگوں کے بڑے بڑے جرائم معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور ان کے اوپر سے بڑے بڑے مقدمات اٹھا کر انھیں پاکدامن اور بے گناہ بنا دیا

جاتا ہے، جبکہ ہزاروں لاکھوں بے گناہوں کو فرضی مقدمات میں پھنسا کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جاتا ہے، ہمارے ملک میں تو اس کی نظیر موجود ہی ہے، حقوق انسانی کا راگ الاپنے والے ملک بھی یہی کر رہے ہیں، اسلام اس طرح کی جانب داری کی سخت مخالفت کرتا ہے، چنانچہ اسلامی حکومت کی تاریخ میں ایسی بہت سی تابناک مثالیں موجود ہیں، سربراہ حکومت پر نہ صرف مقدمہ چلایا گیا، بلکہ قاضی نے ان کے خلاف فیصلہ بھی دیا، حضرت علیؓ کی ایک زرہ گم ہوگئی تھی، آپ نے ایک یہودی کے پاس دیکھی جو اسے بیچنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن یہودی نے کہا کہ یہ تو میری زرہ ہے اور میرے قبضہ میں ہے، معاملہ قاضی شریح کی عدالت میں پہنچا، انھوں نے حضرت علیؓ سے گواہ مانگے، حضرت علیؓ نے ایک گواہ کو پیش کیا اور دوسرے گواہ کے طور پر اپنے بیٹے کو پیش کیا، قاضی شریح نے کہا کہ بیٹے کی گواہی اپنے باپ کے حق میں قبول نہیں، چنانچہ یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا (اسلام اور سیاسی نظریات: ص ۱۹۳)۔

خلافت راشدہ کے بعد بھی قاضی اپنے خلیفہ کے خلاف انتہائی جرأتمندانہ فیصلہ کرتے رہے، خلیفہ ابوجعفر منصور کے خلاف ان کی بیوی نے قاضی غوث بن سلیمانؒ کے پاس مقدمہ دائر کیا اور اپنی طرف سے مقدمہ دائر کرنے کے لیے ایک وکیل پیش کیا، قاضی غوث بن سلیمان نے خلیفہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیوی کے وکیل کے ساتھ فرش پر بیٹھیں، پھر معاملات کا جائزہ لینے کے بعد خلیفہ کے خلاف فیصلہ دیا (کتاب الولات والقضاۃ للکندی، بحوالہ اسلام اور سیاسی نظریات: ص ۱۹۳)۔

(۲) عہد و پیمان کی پابندی:

مسلمانوں کو اور خاص طور پر مسلم حکمرانوں کو اس بات کا واضح حکم دیا گیا ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں اپنے معاہدوں کا پورا پورا خیال رکھیں اور عہد شکنی سے باز رہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (مائدہ:۱)۔

(اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو)۔

کفار مکہ نے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے تھے، حدیبیہ کے موقع پر جب اللہ کے رسول ﷺ چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے گئے تھے، مکہ والوں نے اندر داخل نہیں ہونے دیا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بھی عہد و پیمان پورا کرنے کا حکم دیا۔

﴿وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا﴾ (مائدہ:۲)۔

(اور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی کہ انھوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا، تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ (تم) ان پر زیادتی کرنے لگو)۔

اور جس قوم سے معاہدہ ہوا ہے اگر کسی وجہ سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ بدعہدی کی مرتکب ہوگی، تو یہ حکم دیا گیا کہ اس سے واضح طور پر معاہدہ ختم کر دیا جائے اور اس سے پہلے اس کے خلاف کارروائی نہ کی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ

الْخَآئِنِيْنَ﴾ (انفال:۵۸)۔

یعنی اور اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو وہ معاہدہ ان کی طرف صاف سیدھے طریقے سے پھینک دو، یاد رکھو کہ اللہ بدعہدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت حذیفہ ابن یمان اور ان کے والد اپنے گھر سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جانے کے لیے روانہ ہوئے تھے، اتفاق سے یہ وہ وقت تھا جب جنگ بدر ہوئی اور ابوجہل مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا، اس کے لشکر نے حضرت حذیفہ اور ان کے والد یمانؓ کو راستہ میں روکا اور ان سے زبردستی یہ عہد لیا کہ وہ جنگ میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہوں گے، اس طرح وہ ان سے چھوٹ کر نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے، چونکہ ان سے جو عہد لیا گیا تھا وہ ان کی رضامندی نہیں تھی، بلکہ زبردستی تھی، اس لیے ان لوگوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی خواہش ظاہر کی، لیکن حضور ﷺ نے فرمایا :"**انصرفا نفی لهم بعهدهم و نستعين الله عليهم**" (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب الوفاء بالعہد)۔

(آپ واپس چلے جائیے ہم ان کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے)۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ کا رومی حکومت کے ساتھ ایک خاص مدت تک جنگ بندی کا معاہدہ تھا، مدت ختم ہونے سے کچھ پہلے اپنے ہی ملک میں دشمن کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور جوں ہی مدت ختم ہوئی، فوراً ان کے علاقہ میں

داخل ہو گئے، چونکہ دشمن کو اس اچانک حملہ کی توقع نہیں تھی، اس لیے بغیر مزاحمت کے آگے بڑھتے گئے، اسی دوران ایک سوار گھوڑے پر آواز لگاتا ہوا آیا : ''وفاء لاغدر''یعنی عہد کو پورا کرو، بدعہدی نہ کرو، حضرت معاویہؓ نے ان کو بلا کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ مشہور صحابی عمرو ابن عبسہؓ تھے، انھوں نے فرمایا:

''سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من کان بینہ و بین قوم عھد فلا یشد عقدہ ولا یحلھا حتی ینقضیٰ امدھا أو ینبذ الیھم علی سواء''۔

(میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو وہ اس معاہدے سے متعلق اس وقت تک کوئی گرہ نہ کھولے نہ باندھے (یعنی اس میں کوئی تبدیلی نہ کرے) جب تک کہ یا تو اس کی مدت پوری ہوجائے یا وہ اس معاہدہ کو اس قوم کی طرف صاف سیدھے طریقے سے پھینک دے) (اسلام اور سیاسی نظریات: ص ۳۴۳)۔

اس طرح کے متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، سیاسی معاملات میں ایمان داری اور دیانت داری کی یہ اعلیٰ مثالیں ہیں، اس دور میں سیاست کو مکر و فریب کے ساتھ اس طرح سے گندا کر دیا گیا ہے کہ حکمران طبقہ ملک کے آئین اور دستور کو بالائے طاق رکھ کر کمزوروں پر ظلم کرتا ہے، اقلیتوں کو ستانا اپنا حق سمجھتا ہے۔

مساوات بین المسلمین:

ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں ہیں، جس طرح مسلک کی بنیاد پر ان کا تقسیم ہونا سیاسی معاملات میں خطرناک ہے، اسی طرح ذات برادری کی بنیاد پر ووٹوں کی تقسیم بھی غیر معمولی نقصان دہ ہے، بعض جماعتیں الیکشن کے موقع پر اس طرح کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں، جبکہ قرآن وحدیث کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں برتری کا معیار صرف دینداری اور تقویٰ ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (حجرات: ۳)۔

(لوگوں ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں قبیلوں اور گروہوں میں تقسیم کیا؛ تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے)۔

حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے خطبات دیئے اور سب سے بڑے مجمع کے سامنے دین کا خلاصہ بیان کیا، اس موقع پر جو باتیں بہت اہتمام کے ساتھ آپ نے بیان فرمائیں، اس میں ایک بات مساوات بین المسلمین کی بھی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا :

"یا ایھالناس! ألا إن ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأسود علی أحمر ولا لأحمر علی أسود إلا

بالتقوی" (تفسیر روح المعانی بحوالہ بیہقی: ۲۶/ ۱۴۸۔ ادارہ الطباعۃ المنیریۃ مصر)۔

(اے لوگو! سنو، تمہارا رب ایک ہے، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے، مگر صرف تقویٰ کے لحاظ سے)۔

اسی طرح سے ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إن الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم" (تفسیر ابن کثیر بحوالہ مسلم وابن ماجہ: ج ۴ ص ۲۱۷۔ مطبع مصطفی محمد مصر)۔

(اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا؛ بلکہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے)۔

ہم مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی یہ ہدایات مساوات کا درس دیتی ہیں، برصغیر کے ماحول میں مسلمانوں نے ہندوؤں سے متأثر ہوکر آپس میں ذات برادری کی تفریق کا ماحول پیدا کرلیا ہے، جب کہ اسلام میں پیشے کے اعتبار سے اونچ نیچ کا کوئی تصور نہیں، بعض اداروں میں اور تنظیموں میں بھی برادری کی عصبیت پائی جاتی ہے اور یہ چیز ملکی سیاست میں مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے، ہندوؤں کے یہاں صرف برہمن مذہب کی پیشوائی کرسکتا ہے، جب کہ مسلمانوں کے یہاں قرآن وحدیث کا علم کسی برادری کے ساتھ خاص نہیں ہے اور کسی کی میراث نہیں ہے، نسبی بنیاد پر فخر کرنے کو اللہ کے رسول نے منع کیا ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں بلکہ پورے عجم میں زیادہ تر لوگوں کے نسب محفوظ نہیں ہیں، صاحب ہدایہ نے اپنی مشہور کتاب میں یہ عبارت ذکر کی ہے: "إن الأعاجم ضيعوا أنسابهم"

(عجمیوں نے اپنے نسب کو ضائع کر دیا۔

مسلمانوں کے بعض خاندان اپنے نام کے ساتھ جو نسبتیں لگاتے ہیں وہ زیادہ تر خاندانی روایات کی بناء پر لگاتے ہیں، ملکی سیاست میں اس عصبیت سے بچنا ہمارے لیے ضروری ہے۔

ہر برادری کے لوگوں کو صلاحیت کی بنیاد پر حصہ داری ملنی چاہیے۔

اسلامی شریعت میں حکام اور ولاۃ کے لیے امانت ودیانت کے احکام

اس زمانہ میں شاہی حکومتوں میں بادشاہ اور جمہوری ملکوں میں ممبران پارلیمنٹ، وزراء اور عہدیدار سرکاری خزانہ کو اپنا مال سمجھتے ہیں، اس کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں، عوام کی فلاح وبہبود کے لیے جو منصوبے بنائے جاتے ہیں اور ان کے لیے جو رقم مختص ہوتی ہے، اس کا آدھا سے زیادہ حصہ کمیشن خوری میں چلا جاتا ہے اور اصل منصوبے میں بہت معمولی رقم صرف کی جاتی ہے، ہمارے ملک میں بھی اور متعدد ترقی پسند جمہوری ملکوں میں یہ بیماری عام ہے، چیئرمین، ایم ایل اے، ایم پی، وزیر اعلیٰ، سرکاری افسران سب کا ان رقوم میں حصہ ہوتا ہے، اور ٹھیکیدار اپنا حصہ الگ رکھتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام پر کئی گنا بوجھ بڑھ جاتا ہے اور پروگرام کے مطابق تعمیری کام یا فلاحی پروگرام جس اہتمام کے ساتھ پاس ہوتا ہے ویسا انجام کو نہیں پہنچتا، افسوس یہ ہے کہ اس معاملہ میں ہر مذہب اور ہر برادری کے لوگ یکساں ہیں، مسلمان بھی اس کمیشن کی رقم کو اپنے لیے حرام نہیں سمجھتے، الا ماشاء اللہ شاذ ونادر ایسے لوگ ملیں گے جو عوام کا پیسہ عوامی کاموں میں پورا پورا خرچ کرتے ہوں۔

مولانا اسرار الحق صاحب مرحوم سابق ایم پی اسٹیج پر یہ کہتے تھے کہ بحیثیت ایم پی چھ کروڑ جو مجھے سالانہ ایم پی فنڈ کے طور پر ملتے ہیں وہ میں فیلڈ میں خرچ کرتا ہوں، اس طرح کی مثالیں بہت نایاب ہیں، ورنہ عام طور پر آدھی سے زیادہ رقم کمیشن کی نظر ہوجاتی ہے، پاکستان کے وزیر اعظم عمران خان نے اپنے ملک کی صورت حال بیان کرتے ہوئے ایک تقریب میں کہا کہ اگر سوارب بجلی پیدا کرنے کا کوئی پلانٹ میں لگاؤں اور ٹھیکیدار سے یہ کہہ دوں کہ ایک سوتیس ارب کا بل بنادوتو وہ بنادے گا، اورتیس ارب میرے کھاتے میں کسی ملک میں جمع ہوجائے گا، اپنے ملک کی معاشی کمزوری اور قرض کے بوجھ کا سبب بیان کرتے ہوئے انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا کہ ہمارے ملک میں 1988ء سے یہی چل رہا ہے، بالکل اسی جیسا حال ہندوستان کا بھی ہے اور اس حمام میں سبھی ننگے ہیں، الا ماشاء اللہ، معدودے چند لوگوں کا استثناء کیا جاسکتا ہے۔

اس دور میں ایم پی اور ایم ایل اے حضرات کو جو Facilities اور سرکاری مراعات حاصل ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں، لیکن پیسے کی ہوس قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے، ایماندار اور دیانت دار افراد سے دنیا خالی نہیں ہے، لیکن وہ خال خال ہیں، مسلمان جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس ضرور ہونا چاہیے، اگر مسلمان ایم ایل اے، ایم پی، چیئرمین اور دوسرے عہدے داران ہندوستان جیسے ملک میں خدا ترسی کا مظاہرہ

کرتے اور بدعنوانی اور بے ایمانی سے دور رہتے، اس کا سیاسی فائدہ مسلم قوم کو پہنچتا، اس لیے خاص طور پر مسلمان ممبران وعہدیداران کو اسلامی سیاست کے ان اصولوں کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

"من أخون الخيانة تجارت الوالی فی رعيته" (کنز العمال ۶/۷۸، حدیث نمبر: ۷۸، بحوالہ خلافت وملوکیت: ص: ۵۷)۔

(کسی حاکم کا اپنی رعیت میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے)۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد: **"من ولی لنا عملا ولم تکن له زوجة فليتخذ زوجة ومن لم يكن له خادم فليتخذ خادما أو ليس له مسكنًا فليتخذ له سكنًا أو ليس له دابة فليخذ دابة"** (کنز العمال ۶/، حدیث نمبر: ۳۴۶ بحوالہ خلافت وملوکیت: ص: ۵۷)۔

(جو شخص ہماری حکومت کے کسی منصب پر ہو اور اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کرے، اگر خادم نہ رکھتا ہو ایک خادم حاصل کرے، اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر لے لے، اگر سواری نہ رکھتا ہو تو ایک سواری لے لے، اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے وہ خائن ہے یا چور)۔

اس وقت حدیث پاک میں ذکر کی ہوئی ضرورتیں نوکر، مکان اور سواری سرکاری طور پر مہیا کی جاتی ہیں، رہا مسئلہ شادی کا تو شرعی شادی میں کوئی تکلف نہیں

ہے وہ تو کوئی بھی ایم پی، ایم ایل اے کرسکتا ہے، لیکن صورت حال یہ ہے کہ پانچ سال کے عرصے میں اپنی سرکاری تنخواہ کے علاوہ لوگ کروڑ پتی بن جاتے ہیں اور پبلک اور سرکار دونوں کو ہر طرح سے لوٹنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ نظریہ قرآن وحدیث کی رو سے سراسر خیانت اور چوری کے مترادف ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں:

''من یکن امیراً فإنه من أطول الناس حسابا و أغلظه عذابا و من لا یکون امیرا فإنه من أیسر الناس حسابا و أهونه عذابا لأن الأمراء أقرب الناس من ظلم المؤمنین و من یظلم المؤمنین فإنما یخفر اللّٰه''۔

(جو شخص حکمران ہو، اس کو سب سے زیادہ بھاری حساب دینا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ سخت عذاب کے خطرے میں مبتلا ہوگا، اور جو حکمران نہ ہو اس کو ہلکا حساب دینا ہوگا، اور اس کے لیے ہلکے عذاب کا خطرہ ہے، کیونکہ حکام کے لیے سب سے بڑھ کر اس بات کے مواقع ہیں کہ ان کے ہاتھوں مسلمانوں پر ظلم ہو اور جو مسلمانوں پر ظلم کرے وہ خدا سے غداری کرتا ہے)۔

بخاری شریف میں روایت ہے:

''مامن وال یلی رعیته من المسلمین فیموت وهو غاش لهم إلا حرم اللّٰه علیهم الجنة'' (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، صحیح مسلم کتاب الامارۃ)۔

(کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ

ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ ان پر جنت حرام کردے گا۔

”ألا كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته فالإمام الأعظم الذى على الناس راع وهو مسئول عن رعيته“ (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، صحیح مسلم کتاب الامارۃ)۔

(خبردار رہو تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنے رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمراں ہو وہ بھی راعی اور اپنے رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے)۔

حقیقت یہ ہے کہ حکومت اور اس کے اختیارات خدا کی طرف سے امانت ہیں جنھیں خداترس ایماندار اور عادل لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے، جن لوگوں کے سپرد یہ امانت ہو، اگر وہ اس کا استعمال من مانے طریقے پر یا نفسانی اغراض کے لیے کرنے لگیں تو وہ اللہ کے یہاں جواب دہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا﴾ (نساء:۵۸)۔

(اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے، یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے) (خلافت ملوکیت: ص:۵۶۔۵۷)۔

مسلمان سیاست دانوں کو اللہ اور اس کے رسول کی یہ ہدایات اپنے سامنے رکھنا چاہیے؛ تا کہ وہ دوسروں کے لیے نمونہ بنیں اور ملک وملت کے لیے بھی زیادہ سے زیادہ مفید اور نفع بخش ہوں۔